بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید مسعود پرویز

قائداعظمؒ کیسا پاکستان چاہتے تھے‘ اسلامی یا سیکولر؟

بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کے حوالے سے زیرنظر مضمون کی اہمیت اور افادیت اپنی جگہ ہے مگر ہم اسے بطور خاص اس لئے نذر قارئین کر رہے ہیں کہ حال ہی میں محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے ایک مضمون میں گوہر افشانی کی ہے کہ قائداعظمؒ کی 11 اگست کی تقریر میں سیکولرازم کی بو آتی ہے۔ اسی طرح پارسی دانشور جناب اردشیر کاؤس جی محض اس لئے بابائے قوم‘ نظریہ پاکستان‘ اسلام اور بالخصوص دوقومی نظریہ کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں کہ شاید ابھی تک انہوں نے قائداعظمؒ کے اس راست اقدام کو معاف نہیں کیا کہ انہوں نے ایک پارسی خاتون کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد ان سے شادی کی تھی۔ ایسے دانشوروں ہی سے غالباً حوصلہ پا کر جناب خالد احمد جیسے صحافی دانشور بھی اپنے قلم کی تمام توانائیاں اس مقصد کے لئے صرف کرتے رہتے ہیں کہ کسی طرح پاکستان سے اسلام کو منفی کیا جا سکے۔ خالد احمد صاحب ایسا کیوں کرتے اور چاہتے ہیں؟ یہ وہ اصحاب اچھی طرح سمجھتے ہیں جو ان کو جانتے ہیں۔ (ادارہ)

بعض دین بیزار لوگ اپنے آقاؤں کا حق نمک ادا کرنے کے لئے ان کے ایماء پر بیانات اور انٹرویوز کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کر کے یہ باور کرانے میں جتے ہوئے ہیں کہ قائداعظم پاکستان میں اسلامی نظام نہیں بلکہ سیکولر نظام قائم کرنا چاہتے تھے‘ عوام پر ان کی من گھڑت باتوں کا کیا اثر ہوا‘ اس کا تو مجھے اندازہ نہیں لیکن ان کے خودساختہ حوالہ جات اور دلائل کو بنیاد بنا کر اب حکومتی اہلکاروں نے مدرسہ اور مدارس کے ساتھ ’’دین‘‘ کا لفظ لگانے پر پابندی عائد کرنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں‘ ایسے موقع پر خاموش رہنا اور لوگوں کو حقائق سے آگاہ نہ کرنا قائدؒ کی روح کو ایذا پہنچانے کے مترادف ہوگا لہٰذا طویل بحث میں نہ پڑتے ہوئے میں قائداعظمؒ کی تقاریر اور خطوط کے چند اقتباسات پیش کرنا چاہوں گا۔ جن سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ وہ پاکستان میں کون سا نظام لانے کے متمنی تھے۔

19 مارچ 1944ء کو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔

''اسلام ہمارا رہنما اور ہماری زندگی کا مکمل ضابطہ ہے۔ ہمیں کسی سرخ یا پیلے پرچم کی ضرورت نہیں اور نہ ہمیں سوشلزم، کمیونزم، نیشنل سوشلزم یا کسی دوسرے ازم کی ضرورت ہے۔''

اگست 1944ء میں گاندھی کے نام ایک خط میں انہوں نے لکھا۔

''قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے، اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرضیکہ سب شعبوں کے لئے احکامات موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر روزمرہ کے امور حیات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لے کر حقوق و فرائض تک، اخلاق سے لے کر انسداد جرم تک، زندگی میں جزا و سزا سے لے کر عقبیٰ کی جزا و سزا تک غرضیکہ ہر ایک فعل، قول اور حرکت پر یہ مکمل احکامات کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو حیات اور مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر قاعدے کے طابق ایسا کہتا ہوں۔''

نومبر 1945ء میں ایک تقریر میں فرمایا۔

''مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں تاکہ اپنے ضابطہ حیات، اپنی روایات و اسلامی قوانین کے مطابق حکومت کر سکیں ہمارا مذہب، ہماری ثقافت اور ہمارے اسلامی نظریات ہی وہ محرکات ہیں جو ہمیں خود مختاری حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھاتے رہے ہیں۔''

دسمبر 1945ء میں ایک اور تقریر میں فرمایا۔

''مسلم لیگ اس بات کی دعویدار ہے کہ ہندوستان کے ان علاقوں میں جہاں مسلمان تعداد کے لحاظ سے اکثریت میں ہیں، ایسی مملکت قائم کی جائے جہاں مسلمان اسلامی قوانین کے مطابق حکومت کر سکیں۔''

25 جنوری 1948ء کو یوم عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

''جو لوگ اس ملک میں یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت اسلامیہ پر استوار نہیں ہوگا، انہیں جان لینا چاہئے کہ شرعی قوانین آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح تیرہ سو

> سال پہلے تھے۔ آیئے ہم اپنے ملک
> میں اسلامی دستور بنا کر ساری دنیا پر
> واضح کر دیں کہ ہم اسلام کے سچے پیرو
> ہیں۔''

جولائی 1948ء میں انہوں نے اسلام کے مقابلے میں کسی دوسرے غیر اسلامی نظریہ کو نافذ کرنے کے خواہشمند ذہنوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا۔

> مغربی دنیا صنعتی قابلیت اور مشینوں کی
> دولت کے زبردست فوائد رکھنے کے
> باوجود انسانی تاریخ کے بدترین بحران
> میں مبتلا ہے اگر ہم نے مغرب کا معاشی
> نظریہ اور نظام اختیار کیا تو عوام کے
> لئے ایک پرسکون اور خوشحال زندگی
> کے حصول کے اپنے نصب العین میں
> ہمیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔''

15 جولائی 1948ء کو یعنی کہ انتقال سے صرف دو ماہ قبل فرمایا۔

> ''ہمیں دنیا کے سامنے ایک مثالی
> معاشی نظام پیش کرنا ہے جو انسانی
> مساوات اور معاشرتی انصاف کے
> خالص تصورات پر قائم ہو۔ ایسا نظام
> پیش کر کے گویا ہم مسلمانوں کی حیثیت
> میں اپنا فرض انجام دیں گے۔''

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ قائداعظم اس ملک میں صرف اور صرف اسلامی نظام رائج کرنے کے متمنی تھے لیکن افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اپنے مبارک ہاتھوں سے ''نظریہ پاکستان'' کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ ان کی وفات کے بعد ہم مفاد پرست حکمرانوں اور مذموم مقاصد رکھنے والوں کے بہکاوے میں آ کر اس نظریے کی عملی تعبیر سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ صورت حال ہم سب کے لئے ایک لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے اور ہم سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جس عظیم مقصد کے لئے ہم نے ایک طویل جنگ لڑی اور تاریخ کی سب سے بڑی قربانی دی اس کی تکمیل کو اپنی زندگی کا واحد نصب العین قرار دے کر اپنی ساری کوششیں اس کے لئے وقف کر دیں۔ اسی میں ہم سب کی نجات ہے۔

(بشکریہ نوائے وقت لاہور' 4/اکتوبر 2002ء)

طلوعِ اِسلام:- ہمارے خیال میں زیرِنظر مضمون میں اگر قائداعظم علیہ الرحمہ کے درج ذیل بیان کو بھی شامل کر لیا جاتا' جو فروری 1948ء میں اہلِ امریکہ کے نام براڈ کاسٹ کیا گیا' تو تصویر کسی قدر واضح اور مکمل ہو جاتی ہے۔ اس بیان کا ایک مختصر سا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

> یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی
> صورت میں بھی تھیا کریسی رائج نہیں ہو
> گی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں
> کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ
> (بزعمِ خویش) ''خدائی مشن'' کو پورا
> کریں۔'' (م۔س۔ا)

درس قرآن کریم

بزم طلوع اسلام سیالکوٹ نے (شہرِ اقبال) میں دوبارہ علامہ غلام احمد پرویزؒ صاحب کے
درسِ قرآن کریم کا آغاز بذریعہ ویڈیو کیسٹ شروع کیا ہے۔

رابطہ کے لئے محترم محمد حنیف معرفت چوہدری علی احمد خان، محلّہ ٹبہ بھوپال والا، تحصیل ڈسکہ، ضلع سیالکوٹ

فون نمبر موبائل : 0303-6337068

مقام درس:- محلّہ اسلام آباد، شہر سیالکوٹ

ضرورت رشتہ

بیٹی جس کی عمر 18 سال طالبہ ایف اے سال دوئم، کے لئے فکری گھرانے سے برسر روزگار دراز قد
رشتہ مطلوب ہے۔ تمام معاملات سادگی سے ہونگے۔

رابطہ (الف) معرفت ادارہ طلوع اسلام یا ڈاکٹر اسلم نوید، ینگ تیان سنٹر کوائری روڈ، کوئٹہ۔

فون نمبر: 081-821919 موبائل نمبر: 0300-9381661

درس قرآن کریم

بزم طلوع اسلام سیالکوٹ نے (شہرِ اقبال) میں دوبارہ علامہ غلام احمد پرویزؒ صاحب کے درسِ قرآن کریم کا آغاز بذریعہ ویڈیو کیسٹ شروع کیا ہے۔

رابطہ کے لئے محترم محمد حنیف معرفت چوہدری علی احمد خان، محلّہ ٹبہ بھوپال والا، تحصیل ڈسکہ، ضلع سیالکوٹ

فون نمبر موبائل : 0303-6337068

مقام درس:- محلّہ اسلام آباد، شہر سیالکوٹ

فرض شناس سپاہی

ایک دن غروب آفتاب کے بعد قائداعظمؒ گورنر جنرل ہاؤس میں گہری سوچ میں چہل قدمی کر رہے تھے پیچھے ان کے اے ڈی سی لیفٹیننٹ ایس ایم احسن تھے جو بعد میں پاک بحریہ کے کمانڈر انچیف اور مشرقی پاکستان کے گورنر جنرل بنے۔ قائداعظمؒ جب گیٹ سے کچھ فاصلے پر تھے تو گیٹ پر متعین ایک مسلح سپاہی نے پکارا ''جوان رک جاؤ قائداعظم سوچ میں اس قدر غرق تھے کہ انہوں نے آواز نہ سنی''۔ چند قدم اور آگے بڑھے تو سپاہی نے پھر متنبہ کیا۔ جب ان کے قدم آخری حد کے قریب پہنچے تو سپاہی نے گرجدار آواز میں رائفل کا نشانہ لے کر انتباہ کیا۔

''اب اس سے آگے ایک قدم بھی اور بڑھے تو فائر کر دوں گا'' چنانچہ قائد رک گئے تو لیفٹیننٹ ایس ایم احسن نے کہا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم گورنر جنرل پاکستان سے مخاطب ہو؟ سپاہی نے برجستہ کہا ''میں اپنے فرض کے علاوہ کچھ نہیں جانتا گورنر جنرل صاحب سے کہہ دیجئے یا تو میرا فرض بدل دیں یا پھر مجھ کو اس فرض سے سبکدوش کر دیں'' یہ الفاظ سن کر قائد کا چہرہ چمک اٹھا انہوں نے سپاہی سے کہا ''تم اپنی جگہ رہو میں تمہارے پاس آنے کی اجازت چاہتا ہوں'' جب اجازت ملی تو آگے بڑھے اور سپاہی سے بغل گیر ہو گئے شاباش دے کر کہا ''جب تک تم جیسا فرض شناس ایک سپاہی بھی اس ملک کو میسر آتا رہے گا یہ ملک محفوظ اور اس کا مستقبل درخشاں رہے گا''۔

سانحہ ارتحال

بزم راولپنڈی کے رکن، ملک کے معروف شاعر، ادیب اور دانشور خداداد خاں نجمی طویل علالت کے باعث گذشتہ ماہ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال راولپنڈی میں انتقال کر گئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ ادارہ مرحوم کے اعزہ واقربا کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔

ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد سلیم اختر

لمعات

نومنتخب اراکینِ اسمبلی کی خدمت میں

انتخابات کا زور شور ختم ہو گیا اور اب اختیارات کے دور کی آمد آمد ہے۔ مذہبی جماعتوں کو پاکستانی تاریخ میں اتنی پذیرائی کبھی نہیں ملی اور پاکستانی تاریخ میں دینی جماعتوں نے کبھی اس سے کم محنت نہیں کی جتنی کم محنت اس انتخاب میں کی ہے۔ 1977ء کی تحریک ہو' ایوب خاں کا دور ہو یا ختم نبوت تحریک' اُس وقت دینی جماعتیں سر دھڑ کی بازی لگا دیتی رہیں لیکن عوام الناس نے انہیں ہمیشہ منتخب کرنے سے گریز کیا۔ تجزیہ نگار کہہ رہے ہیں کہ پرویز مشرف کی پروامریکن پالیسیوں نے دینی جماعتوں کے لئے راہ ہموار کر دی اور عوام کے دل میں ان کے لئے محبت پیدا کر دی۔ ہم اس فیکٹر کو رد نہیں کرتے لیکن ہمارے نزدیک ایک اور وجہ ہے جو اس حیرت انگیز تبدیلی کا باعث بنی اور وہ ہے مختلف فرقوں کا' اپنے فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر' متحد ہو کر انتخابی مہم چلانا' ..... یہ ایک ایسا Gesture تھا جس کا Response عامتہ الناس نے پُر جوش انداز سے دیا۔ اس لئے کہ یہ قرآنی نصِ صریح **لا تفرقو** کے عین مطابق تھا۔

اس موقع پر جب کہ حکومت سازی کی تیاریاں عروج پر ہیں اور پاکستان کی تاریخ ایک نیا موڑ مڑنے والی ہے ہم نومنتخب اراکین اسمبلی کے حضور چند گذارشات کرنا ضروری سمجھتے ہیں' اس امید پر:

؎ شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

قرآن کریم کی رو سے' اسلامی مملکت کی بنیاد اس حقیقتِ کبریٰ پر ہے کہ اس میں کوئی شخص نہ کسی دوسرے شخص کا محکوم ہوتا ہے نہ محتاج۔ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

کس در ایں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا' حاکم و محکوم نیست

اس میں حکومت صرف خدا کی ہوتی ہے۔ لیکن یہ اصول' وضاحت طلب ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا خود حکومت کرنے کے لئے تو سامنے نہیں آتا' اس لئے سوال یہ پیدا ہوگا کہ خدا کی حکومت کس طرح قائم ہوگی؟ ایک حکومت تو شخصی ہوتی ہے یعنی مملکت کا پورا اقتدار ایک شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ جو حکم دے' اس کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔ اس کی مملکت میں نہ کوئی شخص یہ جان سکتا ہے کہ اس (صاحبِ حکومت) نے کل کو کیا حکم دے دینا ہے نہ کسی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے وہ حکم کیوں دیا ہے۔ اس اندازِ حکومت کو ملوکیت کہا جاتا ہے۔ قرآن' اس قسم کی حکومت قائم نہیں کرنا چاہتا' اس لئے ''خدا کی حکومت'' بھی ملوکیت کے انداز کی نہیں ہوتی۔ دوسرا اسلوبِ حکومت یہ ہے کہ اطاعت قوانین کی ہو اور قوانین کی غرض و غایت اور علت و حکمت کا ہر ایک کو علم ہو۔ قرآن' اسی نہج کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے' خدا نے ایک ضابطۂ قوانین..... دے دیا ہے جس میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ان قوانین کی حکمت اور غایت کیا ہے۔ اس ضابطۂ قوانین

(قرآن) کی اطاعت کا نام خدا کی محکومیت ہے اور یہی مومن اور کافر کا امتیازی نشان ہے۔ قرآن میں ہے:

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون (۵/۴۴)۔

جو کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے تو یہی لوگ کافر ہیں۔

اور اس کے بعد، خود رسولؐ اللہ سے ارشاد ہوا کہ

فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھوآء ھم عما جاء ک من الحق.....(۵/۴۸)۔

(اے رسولؐ!) تو ان لوگوں میں کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم کر (ان کے معاملات کے فیصلے اس کے مطابق کر)

اور جب یہ کتاب (الحق) تمہارے پاس آ چکی ہے تو پھر انسانوں کے خیالات اور آراء کا اتباع مت کر۔

یہ ہے خدا کی حکومت قائم کرنے (یا اس کی محکومت اختیار کرنے) کا عملی طریقہ۔ یعنی قرآنی اصول و اقدار کو حکومت کا آئین قرار دینا اور اس کے قوانین وضوابط کو ملک میں نافذ کرنا۔ یہ وہ بنیادی حقیقت تھی جس کا اظہار علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ بار بار کرتے رہے۔ یعنی یہ کہ حکومت کا حق خدا کے سوا کسی کو نہیں اور اس کی عملی شکل یہ ہے کہ مملکت میں، ہماری آزادی اور پابندی کے حدود، خدا کی کتاب کے اصول و احکام کی رو سے متعین ہوں۔ بالفاظ دیگر، نظریۂ پاکستان سے مراد ہے قرآن کی حکمرانی۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، قرآن کریم نے دین کی اساس و بنیاد اس حقیقت کو قرار دیا ہے کہ حقِ حکومت خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے اس نے ایک جامع فقرہ استعمال کیا ہے اور وہ ہے۔۔۔ لا الہ الا اللہ۔۔۔ دنیا میں کوئی ہستی (شخص۔ گروہ یا ادارہ) ایسی نہیں جس کی محکومیت اختیار کی جائے بجز اللہ کے۔ محکومیت صرف خدا کی اختیار کی جا سکتی ہے۔

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

لیکن ہماری بدقسمتی کہ جب دین، مذہب سے بدلا تو، قرآن کے دیگر مہمات اصول کی طرح، اس بنیادی کلمہ کے معانی اور مفہوم بھی یکسر بدل گئے۔ اب ان الفاظ کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے کہ۔۔۔ ''دنیا میں کوئی شے یا ہستی پرستش کے قابل نہیں سوائے اللہ کے''۔۔۔ دین میں الٰہ سے مراد، صاحبِ اقتدار و اختیار تھا۔۔۔ مذہب میں اس کا مفہوم ''پرستش کے شئے'' ہو گیا۔ اسلام کا اساسی اصول، لا الٰہ الا اللہ کے مختصر لیکن بے حد جامع الفاظ میں مرتکز ہے اور اسی کو کلمہ یا کلمہ طیبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے معنی اصولِ محکم کے ہیں۔۔۔ جب دین میں اسے کلمہ کہا گیا تھا تو اس سے جو عملی نقشہ سامنے آتا تھا، اس کے متعلق قرآنی تصریحات اوپر پیش کی جا چکی ہیں۔ لیکن اس کے بعد یہی کلمہ، ایک رسم بن کر رہ گیا، یا زیادہ سے زیادہ علم الکلام کا ایک مسئلہ۔ (یا اہل تصوف کا سرِّ باطن، جنہوں نے، وحدت الوجود کے فلسفہ کی رُو سے اس کے معنی یہ کر دیئے کہ دنیا میں کوئی معبود ایسا نہیں جو خود خدا نہ ہو۔ یعنی انسانوں نے جتنے معبود تراش رکھے ہیں وہ سب خدا ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) بہر حال، ہم کہہ یہ رہے تھے کہ قرآن نے اسلامی مملکت کے اساسی اصول کو لا الٰہ الا اللہ کے کلمہ سے تعبیر کیا ہے اور اس کا عملی مفہوم یہ ہے کہ مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ، قرآن مجید کے احکام و اصول و اقدار کو حاصل ہو گا، کسی اور کو نہیں۔ لا الٰہ میں دنیا کے ہر صاحبِ اقتدار شخص یا ادارہ کی نفی کی گئی ہے۔

لیکن ہمارے ہاں، جو حضرات اسلامی حکومت کے قیام اور نظریۂ پاکستان کے تحفظ کے مدعی ہیں ان میں سے کوئی بھی اس اساس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے کہ اس اساس پر امت واحدہ کی عمارت استوار ہوتی ہے جس میں نہ مذہبی فرقوں کی گنجائش ہوتی ہے نہ سیاسی پارٹیوں کے لئے کوئی جگہ۔۔۔ نہ جغرافیائی حدود کی بنا پر علاقائی تفریق روا رکھی جا سکتی ہی اور نہ نسلی امتیاز کی بنا پر کوئی تمیز۔ اس

میں' ساری کی ساری امت' غیر مسلموں کے مقابلہ میں ایک پارٹی (حزب اللہ) ہوتی ہے جس کے اندر فرقہ سازی' یا پارٹی بازی' یا اسی قسم کی کوئی اور تفریق' شرک سمجھی جاتی اور حکمتِ فرعونی قرار پاتی ہے۔ (۴/ ۲۸) یہ وجہ ہے کہ یہ حضرات (لفظ اسلام کی طرح) ''نظریہ پاکستان'' کے الفاظ کو تو اس شد و مد سے دہراتے رہتے ہیں لیکن اس کا متعین مفہوم کبھی پیش نہیں کرتے۔ اور پارٹی بازیوں میں الجھی اور کھوئی ہوئی قوم' توحیدِ خالص کی طرف آنا ہی نہیں چاہتی۔ قرآن کے الفاظ میں۔۔۔ **اذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لا یومنون بالاٰخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون** (۳۹/۴۵) ان کی کیفیت یہ ہے کہ جب ان لوگوں کے سامنے' جو آخرت کے منکر ہیں' خدائے واحد کا تصور پیش کیا جاتا ہے تو وہ سخت کبیدہ خاطر ہو جاتے ہیں اور جب خدا کے علاوہ' اوروں کا ذکر کیا جائے تو وہ ہشاش بشاش ہو جاتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے کہ اہل جہنم سے کہا جائے گا کہ **اذا دعی اللہ وحدہ کفرتم۔ وان یشرک بہٖ تومنوا**..... جب تمہیں خدائے واحد کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم اس سے انکار کرتے تھے اور جب اسکے ساتھ اوروں کو بھی شریک کیا جاتا تھا تو تم اس اسلوب حکومت کو صحیح تسلیم کر لیتے تھے' حالانکہ حقیقت یہ تھی (اور ہے) کہ **فالحکم للہ العلی الکبیر۔** (۴۰/۱۲)۔ حکومت صرف خدا کی ہو سکتی ہے۔ وہی علو اور کبریائی کا مالک ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: **اذا ذکرت ربک فی القران وحدہ ولوا علی ادبار ھم نفورا۔** (۱۷/۴۶)۔ جب تُو قرآن میں خدائے واحد کا ذکر کرتا ہے تو یہ لوگ' نفرت آگیں انداز سے منہ موڑ کر چل دیتے ہیں۔ چنانچہ آج بھی کیفیت یہ ہے کہ خدائے واحد (یعنی قرآن خالص) کی حکمرانی کو نہ ہمارا مذہب پرست حلقہ گوارا کرتا ہے نہ سیکولرازم کا حامی گروہ۔۔۔ نہ دیر میں' نہ حرم میں خودی کی بیداری۔۔۔ کیونکہ اس سے ان کے مفادات پر زد پڑتی ہے اور پارٹیاں باقی نہیں رہتیں۔ حتیٰ کہ ان کا حق حکومت بھی باقی نہیں رہتا۔ لیکن ان میں اتنی جرأت بھی نہیں کہ یہ اپنے اس کفر و شرک کا اعلان یا اعتراف کریں۔ اسکے لئے انہوں نے ٹیکنیک یہ اختیار کر رکھی ہے کہ اسلام یا نظریۂ پاکستان جیسی اصطلاحات کا مفہوم متعین نہ کیا جائے۔ انہیں مبہم رکھا جائے۔

ہمارے ہاں یہ شعر جو زبان زدِ خلائق ہے کہ:

پاکستان کا مطلب کیا **لا الہ الا اللہ!**

معلوم نہیں کہنے والے کے سامنے اس کا وہ مفہوم تھا یا نہیں جو قرآن کریم کی رو سے' اوپر بیان کیا گیا ہے' لیکن بات اس نے پتہ کی کہی تھی۔ حقیقت یہی ہے کہ پاکستان (یا اسلامی مملکت) کی اساس' لا الہٰ الا اللہ ہے۔ اور اس سے مراد ہے۔ خدا کی کتاب (قرآن مجید) کی حکمرانی۔ یعنی وہ احکام اور قوانین جو ہر زمانے میں قرآنی مقاصد کو پورا کریں اور زمانے کی ضروریات کے مطابق بدلتے رہیں۔ یہی نظریہ پاکستان ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر شبیر احمد، فلوریڈا

جنگل کی حویلی

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

صاحبو! آج آپ کو ایک ایسی دنیا میں لئے چلتے ہیں جو ہے تو حقیقت مگر لگتی ہے افسانہ! اہل علم و ادب قارئین سے معذرت کے ساتھ پہلے اس شعر کا مفہوم ان خواتین و حضرات کی خاطر پیش خدمت ہے جو درخواست فرماتے رہتے ہیں کہ ذرا مشکل اشعار کی تشریح بھی ہو جانی چاہئے۔ علامہؒ فرما گئے ہیں کہ ''زمانے کے حوادث سے ملت کو اور افراد کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔''

صاحبو! اکیسویں صدی کی آمد آمد ہے اہل عالم نے اپنے اپنے منصوبے بنا لئے ہیں۔ یہ منصوبے بعض اوقات اتنے عجیب و غریب ہوتے ہیں کہ حقائق افسانہ لگنے لگتے ہیں۔ لیکن

واللہ خیر الماکرین۔

(اللہ سب سے بہترین تدبیر کرنے والا ہے)

شبیر احمد قرآن اور مستند احادیث کی روشنی میں، تاریخ عالم اور حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لے کر اور جہان بھر کے افکار و فلسفوں کو چھان پھٹک کر آج پھر ببانگِ دہل کہتا ہے کہ اکیسویں صدی ہماری ہے۔ انشاءاللہ!

جو بات حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی
خدا نے مجھ کو دیا ہے دلِ خبیر و بصیر

نواب راحت سعید چھتاری صاحب 1940ء کی دہائی میں صوبہ اتر پردیش کے گورنر تھے۔ انگریزی حکومت نے انہیں یہ اہم عہدہ اس لئے عطا کیا تھا کہ وہ مسلم لیگ اور کانگریس کی سیاست سے لاتعلق رہ کر انگریزوں کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ نواب چھتاری اپنی یادداشتیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک بار انہیں سرکاری ڈیوٹی پر لندن بلایا گیا۔ ان کے ایک پکے انگریز دوست نے جو ہندوستان میں کلکٹر رہ چکا تھا نواب صاحب سے کہا ''آیئے! آپ کو ایک ایسی جگہ کی سیر کراؤں جو کوئی یہاں سے دیکھ کر نہیں گیا۔''

نواب صاحب خوش ہو گئے۔ انگریز کلکٹر نے نواب صاحب سے پاسپورٹ مانگا کہ وہ جگہ دیکھنے کے لئے حکومت سے تحریری اجازت لینی ہوتی ہے۔ دو روز بعد کلکٹر اجازت نامہ ساتھ لے کر آیا اور کہا ''ہم کل صبح چلیں گے لیکن میری موٹر میں۔ سرکاری موٹر لے جانے کی اجازت نہیں ہے''۔ اگلی صبح

نواب صاحب اور وہ انگریز منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر سے باہر نکل کر بائیں طرف جنگل شروع ہو گیا۔ جنگل میں ایک پتلی سی سڑک تھی۔ جوں جوں چلتے گئے جنگل گھنا ہوتا گیا۔ سڑک کے دونوں جانب نہ کوئی ٹریفک نہ کوئی پیادہ! نواب صاحب حیران بیٹھے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ موٹر چلتے چلتے آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بہت بڑا گیٹ سامنے نظر آیا۔ دور سامنے ایک نہایت وسیع و عریض عمارت تھی جس کے چاروں طرف گھنے کانٹے دار درختوں اور جھاڑیوں کی ایسی دیوار تھی جسے عبور کرنا ناممکن تھا اور عمارت کے چاروں طرف زبردست فوجی پہرہ تھا۔ اس عمارت کے باہر ہی فوجیوں نے پاسپورٹ اور تحریری اجازت نامے کو غور سے دیکھا اور حکم دیا کہ اپنی موٹر وہیں چھوڑ دیں اور آگے جو فوجی موٹر کھڑی ہے اس میں جائیں۔ نواب صاحب اور انگریز کلکٹر ان پہرہ داروں کی دی ہوئی موٹر میں بیٹھ گئے اور اس پتلی سڑک پر آگے چلتے گئے۔ وہی گھنا جنگل اور جنگلی درختوں کی دیواریں دونوں طرف۔ نواب صاحب گھبرانے لگے۔ انگریز نے کہا ''بس! منزل آنے والی ہے۔'' دور ایک اور سرخ پتھر کی بڑی سی عمارت نظر آئی تو انگریز نے موٹر روک دی اور کہا یہاں سے آگے صرف پیدل جا سکتے ہیں اور نواب صاحب سے کہا یاد رکھیں کہ ''آپ صرف کچھ دیکھنے آئے ہیں بولنے کی یا سوال کرنے کی بالکل اجازت نہیں ہے۔

(بحوالہ اردو ڈائجسٹ' نومبر 1992ء' برطانوی استعمار کا زہر' 1985ء)

عمارت کے شروع میں وسیع دالان تھا۔ اس کے پیچھے متعدد کمرے تھے۔ دالان میں داخل ہوئے تو ایک نوجوان باریش عربی کپڑے پہنے سر پر عربی رومال لپیٹے ایک کمرے سے نکلا۔ دوسرے کمرے سے ایسے ہی دو نوجوان اور نکلے۔ پہلے نے عرب لہجے میں کہا ''السلام علیکم''! دوسرے نے کہا ''وعلیکم السلام! کیا حال ہے؟'' نواب صاحب حیران رہ گئے! کچھ پوچھنا چاہتے تھے لیکن انگریز نے فوراً اشارے سے منع کر دیا۔ چلتے چلتے ایک کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ دیکھا کہ اندر مسجد جیسا فرش بچھا ہے۔ عربی لباس میں متعدد طلباء فرش پر بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے ان کے استاد بالکل اسی طرح بیٹھے سبق پڑھا رہے ہیں جیسے اسلامی مدرسوں میں استاد پڑھاتے ہیں۔ طلباء عربی میں اور کبھی انگریزی میں استاد سے سوال بھی کرتے ہیں۔ نواب صاحب نے دیکھا کہ کسی کمرے میں قرآن مجید پڑھایا جا رہا ہے' کہیں قرأت سکھائی جا رہی ہے' کہیں تفسیر کا درس ہو رہا ہے' کسی جگہ بخاری شریف کا درس ہو رہا ہے' کہیں مسلم شریف کا۔ ایک کمرے میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان مناظرہ ہو رہا ہے۔ ایک اور کمرے میں فقہی مسائل پر بات ہو رہی ہے' سب سے بڑے کمرے میں قرآن کا ترجمہ کرنا مختلف زبانوں میں سکھایا جا رہا ہے۔ نواب صاحب نے نوٹ کیا کہ باریک باریک مسئلے مسائل پر ہر جگہ زور ہے مثلاً غسل کا طریقہ' وضو' روزے' نماز اور سجدہ سہو کے مسائل' وراثت اور رضاعت کے جھگڑے' لباس اور داڑھی کی وضع قطع' گا گا کر آیات پڑھنا' غسل خانے کے آداب' گھر سے باہر جانا' آنا ورد کے ساتھ۔ لونڈی' غلاموں کے مسائل' حج کے مناسک' بکرا' دنبہ کیسا ہو' چھری کیسی ہو؟ کوا حلال ہے یا حرام؟ حج بدل اور قضا نمازوں کی بحث' عید کے دن کی بحث کیسے کی جائے اور حج کی کیسے؟ میز پر بیٹھ کر کھانا' پتلون پہننا جائز ہے یا ناجائز؟ عورت کی پاکی

ناپاکی کے جھگڑے' حضورؐ کی معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھی جائے گی کہ نہیں؟ تراویح آٹھ ہیں یا بیس؟ نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے تو آدمی کیا کرے؟ سود مفرد جائز ہے یا ناجائز؟' اعتکاف کے مسائل' تجوید' مسواک کا استعمال' روزہ ٹوٹنے جڑنے کے معاملے' عورت برقعہ پہنے یا چادر اوڑھے؟ اونٹ پر بہن بھائی بیٹھیں تو آگے بھائی ہو یا بہن؟ کونسے وظیفے پڑھے جائیں؟

ایک استاد نے سوال کیا۔ پہلے انگریزی اور پھر عربی میں اور آخر میں انتہائی شستہ اردو میں۔ جماعت اب یہ بتائے کہ جادو' نظر بد' تعویذ گنڈہ' آسیب کا سایہ برحق ہے یا نہیں؟ پینتیس چالیس طلباء کی یہ جماعت بیک آواز پہلے انگریزی میں بولی ''الاستاذ! عبادت کے لئے نیت ضروری ہوتی ہے۔ تو مردہ لوگوں کا حج بدل کیسے ہوسکتا ہے؟ قرآن تو کہتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔'' استاد بولے ''قرآن'' کی بات مت کرو۔ روایات میں مسئلے ڈھونڈا کرو۔ جادو' نظر بد' تعویذ' آسیب' وظیفے اور ورد' اور استخارے میں مسلمانوں کا ایمان پکا کر دو اور ستاروں میں' ہاتھ کی لکیروں میں' مقدر اور نصیب میں۔

یہ سب دیکھ کر واپس ہوئے تو نواب چھتاری نے انگریز کلکٹر سے پوچھا ''اتنے عظیم دینی مدرسے کو آپ نے چھپا کر کیوں رکھا ہے؟'' انگریز نے کہا ''ان سب میں کوئی مسلمان نہیں۔ یہ سب عیسائی ہیں۔ تعلیم مکمل ہونے پر انہیں مسلمان ملکوں میں خصوصاً مشرقِ وسطیٰ' ترکی' ایران اور ہندوستان (برصغیر 1940ء) بھیج دیا جاتا ہے وہاں پہنچ کر یہ لوگ کسی بڑی مسجد میں جا کر نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ نمازیوں سے کہتے ہیں کہ وہ یورپی مسلمان ہیں۔ انہوں نے مصر کی جامعہ الازہر جیسی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی اور وہ مکمل عالم ہیں۔ یورپ میں اتنے اسلامی ادارے موجود نہیں ہیں جہاں وہ تعلیم دے سکیں وہ سردست تنخواہ نہیں چاہتے صرف کھانا کپڑا' سر چھپانے کی جگہ درکار ہے۔ پھر وہ مؤذن' پیش امام' بچوں کے لئے قرآن کے معلم کی خدمات پیش کرتے ہیں۔ تعلیمی ادارہ ہو تو اس میں استاد مقرر ہو جاتے ہیں۔ جمعہ کے خطبے تک دیتے ہیں۔

نواب صاحب کے انگریز میزبان نے انہیں یہ کہہ کر حیران کر دیا کہ اس عظیم مدرسے کا بنیادی ہدف یہ ہے کہ'

۱۔ مسلمانوں کو روایات' ذکر کے وظیفوں اور نظری مسائل میں الجھا کر قرآن سے دور رکھا جائے۔

۲۔ حضور اکرمؐ کا درجہ جس طرح بھی ہو سکے گھٹایا جائے۔ کبھی یہ کہہ کہ آپؐ (نعوذ باللہ) رجل مسحور' یعنی جادو زدہ تھے' کبھی حدیثوں کے حوالے سے یہ کہہ کہ آپؐ نے بچی سے نکاح فرمایا تھا اور یہ کہ آپؐ ہر رات اپنی گیارہ ازواج کا دورہ فرمایا کرتے تھے۔

اس انگریز نے یہ بھی بتایا کہ 1920ء میں ''رنگیلا رسول'' نامی کتاب راجپال سے اسی ادارے نے لکھوائی تھی۔ اس سے کئی برس پہلے مرزا غلام احمد قادیانی اور بہاء اللہ کو نبی بنا کر کھڑا کرنے والا یہی ادارہ تھا اور ان کی کتابوں کی بنیاد لندن کی اسی عمارت سے تیار ہو کر جاتی تھی۔ خبر ہے کہ سلمان رشدی کی کتاب لکھوانے میں بھی ان کا ہاتھ ہے۔

خدایا ایسا نہ ہو کہ مغرب رہن ہی میرا سماج رکھ لے
ہے فتنہ پرور نظامِ عالم تو اپنے مسلم کی لاج رکھ لے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابن مریم

مزدکیت فتنہ فردا نہیں

بہتر ہو اس نشست میں ہم بات وہیں سے شروع کریں جہاں سے سلسلۂ کلام ٹوٹا تھا۔

بات ہو رہی تھی ابلیس کی مجلس شوریٰ کی اور اس میں میر مجلس خود ابلیس ہے' وہ مساوات شکم کے علمبرداروں کو یوں اپنی تحقیر کا نشانہ بناتا ہے۔

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار' آشفتہ مغز' آشفتہ مُو

اور اقرار کرتا ہے کہ اس کو اگر کوئی خطرہ ہے تو اس امت (امت محمدیہؐ) سے ہے' جسکا شعلہ صفت پیغام انقلاب اگرچہ مدت ہوئی خاکستر میں تبدیل ہو چکا ہے مگر صدیوں بعد بھی اس خاکستر میں چھپا شرار آرزو اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں بلکہ اس کی نگاہ میں خار کی طرح چُبھتا ہے۔ وہ اپنی تمام تر سازشوں کے باوجود لرزاں ہے کہ

ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

اور پھر شر کا وہ Master mind اپنے چیلے چانٹوں کو ایک ماسٹر پلان دیتا ہے جس سے یہ خطرہ ٹالا جا سکتا ہے اور آج اگر ہم دوسروں پہ الزام تراشی چھوڑ کر تعصب کی عینک اتار کر اپنی گزشتہ ہزار سال سے زیادہ عرصہ پر محیط تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہم بعینہٖ اس کی دی ہوئی پلان پر عمل کر رہے ہیں۔ تھوڑی سی اس کی پلان دہرا دوں' یادداشت تازہ ہو جائے گی' بات نکھر کر سامنے آ جائے گی۔ وہ اپنے مشیروں کو ایک مشن سپرد کرتا ہے کہ تم اس امت کو اس قسم کی بحثوں میں الجھائے رکھو۔

ابن مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے
ہیں صفات ذات حق' حق سے جدا یا عین ذات
آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزند مریم کی صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات

دل پر ہاتھ رکھئے' خدا لگتی کہئے' کیا ہزار سال سے زیادہ ہم انہی مباحث میں نہیں الجھے ہوئے۔ کیا عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے' کیا وہ دوبارہ اسی حیثیت میں دنیا میں حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے لئے تشریف لائیں گے' کیا وہ اس وقت کی امت محمدیہ کے فرد ہوں گے۔۔ اس سے سوال امتی نبی کا پیدا ہوا۔ یہ تو صرف ایک بحث ہے' ایسی لاکھوں بحثوں میں امت کا وقت گزر رہا ہے۔ سنا ہے جب ہلاکو نے بغداد پر حملہ کیا جس میں

بغداد کے گلی کوچے خون مسلم سے لالہ زار ہوئے اور وقت کی سب سے بڑی لائبریری' علم وحکمت کا بے مثال خزانہ نذر آتش ہوا' علمائے امت کسی ایسی یا اس سے بھی گئی گزری بحث میں باہم دگر دست وگریباں تھے۔ ابلیس کی اس پلان کا ایک رخ اور بھی تھا' اس نے اپنے مشیروں سے کہا تھا

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

آج کون ہے جو کسی نہ کسی آستانے سے وابستہ نہیں۔ سال بہ سال عروس پہ جو دھوم دھڑکا ہوتا ہے اس سے کون واقف نہیں۔ باقی کے مسلمان ملکوں کے متعلق تو مجھے زیادہ معلوم نہیں اپنے اس خطے کا حال کچھ کچھ معلوم ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں جو عقیدت ان بزرگوں بلکہ ان کے مزاروں سے وابستہ ہے وہ ہر کوئی جانتا ہے۔ ان جگہوں کے نام کے ساتھ لفظ شریف چپکا ہوا ہے سوائے لاہور کے۔ میری تجویز ہے کہ لاہور کو بھی لاہور شریف کہا جائے۔ آخر یہاں اتنا بڑا دربار ہے جہاں ہر سربراہ حکومت' ہر گورنر حلف برادری کے بعد سلام کے لئے حاضر ہوتا ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ مجھے ان بزرگوں کے مرتبے اور مقام سے انکار ہے۔ میرے دل میں ان کی بڑی عزت ہے بڑی تعظیم ہے۔ اپنے وقت میں انہوں نے اپنے علم اور اخلاق کے بل پہ دین حق کو جس طرح عوام تک پہنچایا' پھیلایا یہ ان کا احسان ہے۔ آخر کو یہ مقام اپنی زندگیوں میں انہوں نے اپنے اخلاقہ حسنہ اور علم کے زور ہی پر بنایا' لوگوں کو متاثر کیا' ان کے دلوں میں جگہ بنائی ورنہ تو۔۔

طبل وعلم ہی پاس تھا ان کے نہ ملک و مال

کاش جن کے پاس طبل وعلم بھی تھا اور ملک و مال بھی ان کے پلے یہ مال بھی ہوتا تو آج اس خطے کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا مگر یہ پیغام ان بزرگوں کے حلقۂ اثر تک محدود رہا' آگے کیوں نہ پھیلا عجمی اثر قبول کردہ یہ پیغام جو اسلام کے نام پہ یہاں پہنچا اس میں سمجھوتے یوں ہوئے کہ جو حلقہ بگوش اسلام نہ ہوئے انہوں نے یہ کہہ کر گنجائش نکال لی کہ مقصد تو اللہ کی رضا' بھگوان کا قرب حاصل کرنا ہے یوں کر لیا یا یوں' رام بھی وہی رحمان بھی وہی' گنگا ایک گھاٹ بہتیرے۔۔ اور پھر اس میں ہندوانہ رسوم و رواج اور تاثرات شامل ہوتے گئے' ذات' گوت' برادری' شادی پہ برات سواری ڈولی' مہندی اور پھر جہیز کی لعنت۔۔ آخر یہ اسلام میں کیسے در آئے۔ علامہ اقبال کس خوبصورت انداز میں بات کہہ گئے ہیں۔

زِ من بر صوفی و مُلا سلامے
کہ پیغام خدا دادند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب اسلام کا ظہور ہوا' جب قرآن نازل ہوا دنیا جہالت کے اندھیروں میں کھوئی ہوئی تھی' قرآن وہ نور تھا جو اسے ان تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آیا۔۔ اس نے ذہنوں کو جلا بخشی' علم نے راستے روشن کئے' انسانیت نے ترقی کی منازل طے کیں۔ یہ ہمیں تھے (میری مراد ان سے ہے جو اسلام کے اصل مقام تسخیر کائنات سے واقف تھے) کہ جنہوں نے یہ شمعیں جلائیں اور انہیں نگر نگر لئے پھرے۔۔ یہ

الگ بات کہ شمعیں ہم نے جلائیں، راتیں دوسروں نے ان سے روشن کیں، جو روشنیاں ہماری قندیلوں سے ضیا بار ہوئیں وہ دوسروں کی محفلوں کو روشن کرنے لگیں۔

غنی روزِ سیاہِ پیر کنعاں را تماشہ کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

شروع کی چند صدیاں جب انسانیت ابھی جہالت اور توہمات میں گم تھی کوئی ابن الہیثم، کوئی رازی، کوئی بوعلی سینا اسکا راستہ روشن کرتا رہا۔ پھر ہم دوسروں کے زیر اثر چلّوں، وظیفوں کے ذریعے، غاروں اور گپھاؤں میں نہ سہی، جنگلوں اور ویرانوں یا پھر حجروں میں بند ہوکر قرب خداوندی ڈھونڈنے بیٹھ گئے اور جو ہمارے زیر اثر ہماری روشن کردہ راہوں پر چلنا سیکھ گئے تھے برق رفتاری سے آگے بڑھتے گئے۔ ہم چاند میں بیٹھی بڑھیا کو چرخا کاتتے دیکھتے رہے اور انہوں نے سائنسی ترقی کے بل پر اس سرزمین پر قدم رکھ دیا اور وہاں کی خاک اپنے ساتھ تجربے کے لئے لے آئے۔ پھر وہی ابلیسی حربہ۔

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

کیا آج یہی کیفیت نہیں، مسلمان جہاں بھی ہے پس ماندہ ہے، جاہل ہے، غریب ہے، دوسروں کا دست نگر اور محتاج ہے، فکری، مجلسی، معاشرتی اور معاشی طور پر غلام ہے۔ تعداد میں گو کم نہیں، نہ ہی وہ ملک جو اسلام سے وابستگی کے دعویدار ہیں یا اس نام سے شناخت پاتے ہیں قدرتی وسائل میں کم ہیں۔ انہیں تو قدرت نے فراواں خزائن سے مالا مال کر رکھا ہے، معدنیات، تیل، گیس سب سے زیادہ انہی خطوں میں ہے۔ جیسے کبھی علم کی شمع ہماری تھی، اپنی شب سیاہ غیروں نے روشن کی، اسی طرح مادی وسائل ہمارے تھے ان پر اجارہ داری دوسروں کی ہوگئی، جو تھوڑا بہت حصہ اس میں سے ان ملکوں کے اصحاب اختیار اور اقتدار کو ملتا ہے وہ بھی ان کی ذاتی عیش وعشرت میں خرچ ہو جاتا یا انہی غیر ملکوں کے بنکوں میں جمع ہوتا رہتا ہے اور عوام بدستور مفلوک الحال، جاہل، بساط زندگی میں مات کھائے مہروں کی طرح دائرے سے باہر ذلیل ورسوا کھڑے نظر آتے ہیں۔

نو گیارہ نے ایک نیا ہی منظر نامہ دنیا کو دیا ہے۔ ہم نے تو آج تک نو دو گیارہ سن رکھا تھا، یہ نو۔گیارہ ایک انوکھی ٹرم ہے۔ میں سوچتا ہوں یہ درمیانی دو کیا ہے، کون ہیں۔ اسامہ بن لادن اور ملا عمر؟ اگر یہی دو Missing Link تھے تو یہ تو اب منظر عام پر نہیں اور پھر بارہ تیرہ سال کے بعد عراق کا ہوّا کیوں جاگ پڑا، یہ Axis of Evil کیا ہے۔ کس کے لاشعور سے کروسیڈ کا شعلہ لپکا ہے۔ کیا یہ نو کو گیارہ بنانے والے یا گیارہ اور نو کے درمیان بش اور بلیر تو جلوہ فرما نہیں۔۔ جو دنیا کی دولت پر قبضہ اور دنیا بھر کے انسانوں کی قسمتوں کو اپنی مٹھی میں بند کرنا چاہتے ہیں۔

اس وقت تو وہ سپریم ہیں، بقول ان کے اپنے، دنیا میں کبھی ایک ملک کو وہ طاقت، وہ قوت حاصل نہیں ہوئی جو اس وقت امریکہ کے پاس ہے۔ وہ دنیا کے کسی بھی ملک کو بلکہ ملکوں کی نمائندہ یو این او کو نظر انداز کر کے یکطرفہ قدم اٹھا سکتا ہے اور جس قدر تباہی چاہے مچا سکتا ہے کیونکہ اس کے پاس عالمگیر تباہی پھیلانے والے اتنے ہتھیار ہیں کہ کسی اور کے پاس نہیں۔۔ اگر عراق اس لئے مورد عتاب اور گردن زدنی ہے کہ اس کے پاس

تباہی پھیلانے والے ایسے ہتھیار ہیں جو اس نے چھپا رکھے ہیں تو ان کے متعلق کیا کہا جائے جو اپنے تباہی پھیلانے والے تمام تر ہتھیاروں کے ساتھ دوسرے ملکوں میں اپنی مرضی ٹھونسنے کے درپے ہیں۔ سوائے کوریا کے تمام تر زیر عتاب مسلمان اقوام ہی ہیں اس صورت حال میں جب یہ کیا جا رہا ہو کہ ہمارے ساتھ ہو یا ہمارے خلاف' ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

مدمقابل ہم کھڑے نہیں ہو سکتے۔ افغانستان کا حشر ہمارے سامنے ہے۔ اور اگر امریکہ کے اپنے ہی حلیف اسے نہ روک سکے اور بش اور بلیر عراق پہ چڑھ دوڑے تو اس کا حشر بھی کم از کم ویسا ہی ہوگا جیسا فلسطینیوں کا ان کا چہیتا شیرون کر رہا ہے۔ اور عراق سے آخر امریکہ اور برطانیہ کے تنازعے کی وجہ اور نوعیت کیا ہے؟ صدام کی ذات؟ اسرائیل کا تحفظ جو امریکہ کے فرنٹ مین کا کردار ادا کرتا ہے' تباہی پھیلانے والے ہتھیار اس سے کہیں زیادہ امریکہ اور برطانیہ کے پاس ہیں' کیا افغانستان میں ان کا اس پیمانے پر استعمال جائز تھا۔۔؟ یا پھر سارا مسئلہ تیل کے ذخائر ہیں جسے وہ کسی زیادہ وفادار کے ہاتھ میں دیکھنا چاہتے ہیں (اور اگر صدام ہی یہ کردار ادا کرنے کی حامی بھر لے؟)۔

دیکھا جائے تو یہ سب اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ ہم صدیوں صدیوں وہی کچھ کرتے رہے جو ابلیس چاہتا تھا۔ وقت آ چکا کہ ہم اس کے ہاتھوں میں کھیلنا بند کر دیں۔ اپنی ریسورسز کو مثبت اور صلاحیت بخش کاموں میں لگائیں' ایک ارب سے زیادہ مسلمان اگر باہمی تعاون کا مظاہرہ کریں۔ **تو اصو** کے رستے پہ گامزن ہو جائیں' جس کے پاس وافر دولت ہے وہ اسے ان کے لئے کھلا رکھے جن کے پاس ہنر ہے' سائنسی علم ہے مگر دولت نہیں۔ جو فصل ایک ملک کی اپنی ضروریات سے زیادہ ہے وہ دوسرے کی ضرورت پورا کرنے کے کام آ سکتی ہو' تو اسے دینے میں گریز نہیں کرنا چاہئے' باہمی تجارت ایک دوسرے کی طاقت بنے' جس چیز کے بغیر گزارا ہو سکتا ہے اس کا لالچ نہ کیا جائے۔ اسراف اور تعیّشات سے اجتناب کلیہ بن جائے۔ بہت سے ایسے پروگرام ہو سکتے ہیں اگر مل کر ان پر عمل پیرا ہوں تو صدیوں کا فاصلہ سالوں میں طے کیا جا سکتا ہے۔ ضرورت خلوص نیت کے ساتھ' اختلافات اور تعصّبات سے بلند ہو کر اس دلدل سے نکلنے کے لئے لائحہ عمل طے کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ہے مناسب طاقت پیدا کرنے سے پہلے لڑنے کے لئے کھڑے ہو جانا حماقت ہے۔ مخالف کی طاقت اس کی چالوں اور اس کی کمزوریوں کا علم بھی ضروری ہے۔ ہمارے ملک کی سب سے بڑی کمزوری ہماری معیشت ہے جسے درست کرنا تاکہ ہم قرضوں کے چنگل سے نکل سکیں لازمی ہے یہ مجبوری تو ہمیں اپنے متعلق درست فیصلے بھی نہیں کرنے دیتی۔ ہم ایک زرعی ملک ہیں' اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی زرخیز زمین دے رکھی ہے' مناسب موسم بھی' پانی بھی۔ ہم اپنی ضرورت سے کہیں زیادہ اجناس اگا سکتے ہیں' پہاڑ ہیں' ایسے علاقے ہیں جن میں معدنیات ہیں' کوئلے سے یورینیم تک اور تانبے سے قیمتی پتھروں تک قدرت نے دے رکھے ہیں۔ گو ابھی کم ہیں پھر بھی اتنے اعلیٰ تعلیم و تربیت یافتہ سائنسدان اور ہنرمند ہیں کہ ہم سارے عالم اسلام میں واحد نیوکلر پاور ہیں' ہم میزائل بنانے میں کامیاب ہیں' دولت مند اسلامی ممالک جن کے پاس مین

پاور کی کمی ہے زرمبادلہ مہیا کریں تو کون سی چیز ہے' کونسا دفاعی سازوسامان ہے جو ہم آج نہیں تو کل انہیں بنا کر نہیں دے سکتے۔ بیرون ملک جو پاکستانی Talent بکھری ہوئی ہے دوبارہ اپنے اصل کی طرف لوٹ سکتی ہے باہر ہوتے ہوئے ہمیں زرمبادلہ دے سکتی ہے۔

آج کی دنیا میں جس میں پیسہ' سہولتیں ہی بڑی اقدار ہیں ہر چیز خریدی جا سکتی ہے' وہ جسے Greever Pasteures کہا جاتا ہے ہر پیٹ کے پجاری کی آنکھوں میں روشنی بھر دیتا ہے' منہ سے رالیں ٹپکنے لگتی ہیں یا پھر مجبوری کے تحت کھنچا چلا آتا ہے۔ سنا ہے امریکہ کی اس سائنسی ترقی میں جنگ عظیم دوئم کے بعد بیکار ہو جانے والے یورپی سائنسدانوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ اور کولڈ وار کے ختم ہونے سے بھی تو کوئی نہ کوئی خلا پیدا ہوا ہی ہوگا۔ اور پھر دنیا کے نقشے پر اس امت کا محل وقوع دیکھنے کے قابل ہے' دنیا کے نقشے کے عین بیچوں بیچ ملک سے ملک جڑا ہوا ہے (امت وسطیٰ) ایک ارب سے زیادہ ایک دوسرے سے کندھے سے کندھا ملائے مطمئن خوشحال ہنرمند اور جرأت مند انسانوں کو کون تابع مہمل بنا سکتا ہے اگر ان کے کندھے ہی نہیں دل بھی جڑے ہوئے ہوں۔ شرط یہی کہ ابلیسی حربوں کو یکسر رد کرتے ہوئے ہدایات خداوندی پہ عمل پیرا ہوں' اپنے دین کی حقیقت کو سمجھیں۔

ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات!

دین کائنات کی قوتوں کو مسخر کرنا اور ماحصل کو سرمایہ دارانہ نظام کی طرح دوسروں کے استحصال اور اپنی اجارہ داری کے لئے نہیں' انسانیت کی فلاح کے لئے عام کرنے کا نام ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد مختار

راہنمائی کے لئے قرآن کریم ☆ مدد کے لئے صرف

اللہ

شِرک کیا ہے؟

ان الشرک لظلم عظیم۔ (۳۱/۱۳)

بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

شرک۔قرآن کریم کی خاص اصطلاح ہے اس کے معنی ہیں غیر اللہ کی قوتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھنا۔ جو اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں اس میں شامل دوسروں کو بھی سمجھنا انسانوں کے بنائے گئے قانون کو اللہ کے قانون کے برابر سمجھنا اللہ تعالیٰ کے حق ملکیت میں دوسروں کا حق تسلیم کرنا۔

قرآن کریم نے شرک کو سب سے بڑا ظلم اور کبھی معاف نہ ہونے والا جرم (گناہ) بتایا ہے اور شدت سے اس کی مخالفت کی ہے یہ اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان پہنچتا ہے یا وہ اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ انسان ایک چھوڑ لاکھوں خدا' دیوی دیوتا بنا لے اور ہزاروں انسانوں کا خدا کا درجہ دے دے اس سے اللہ تعالیٰ کو کچھ فرق نہیں پڑتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اس لئے منع کیا ہے کہ انسان اپنے مقام سے گر جاتا ہے ظاہر ہے شرک کرنے والا اللہ کی ان فطرتی قوتوں میں سے کسی کو خدا بنا کر اس کے آگے جھکے گا یا پھر انسانوں میں سے کسی کو بڑا اور قوتوں کا مالک سمجھ کر اس کی اطاعت کرنے لگے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے تمام فطرت کی طاقتوں کو تسخیر کر دیا ہے اور انسان انسان سب برابر ہیں اور سب کے سب واجب التکریم ہیں۔ **ولقد کرمنا بنی ادم** (۱۷/۷۰)۔اس لئے انسان کا انسان کے سامنے یا فطرت کی قوتوں کے سامنے جھکنا انسانیت کی بہت بڑی ذلت ہے۔ یہی تو شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب عظیم میں مندرجہ ذیل مقامات پر اس شرک کی وضاحت کرتے ہوئے انسانوں کو تنبیہ کی ہے کہ اس سے بچو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔

فرقہ پرستی شرک ہے

☆ اور مشرکین میں سے نہ ہو جانا یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے ایک دین میں فرقے بنا لئے اور گروہ در گروہ ہو گئے۔ (سورہ روم' آیات ۳۱۔۳۲)

☆ جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کر لئے اور گروہ در گروہ ہو گئے اے رسولؐ آپ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ (سورہ انعام' آیت ۱۴۰)۔

☆ اور ہم نے آپؐ پر یہ کتاب (قرآن) نازل ہی اس لئے کی ہے کہ آپؐ لوگوں پر ان باتوں کو واضح کر دیں جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ (سورہ نحل' آیت ۱۴)۔

☆ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اے بیٹے دیکھ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ماننا بے شک بات یہ ہے کہ شرک کرنا ایک بھیانک ظلم والا گناہ ہے۔ (۱۳/۳۱)۔

☆ لوگ اللہ کے واجن قوتوں سے مرادیں مانگتے ہیں اور مدد کے لئے پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے وہ تو خود مخلوق ہیں یہ لوگ زندہ انسانوں ہی سے نہیں بلکہ مردوں تک سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں ان مردوں سے جنہیں اپنے متعلق بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے (یہی تو شرک ہے)۔ (سورہ نحل' آیات ۲۰۔۲۲)۔

کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ

☆ میں کسی کو بھی اس کا شریک نہیں مانتا اور مجھے اسی اعلان کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے مسلمان ہوں۔ (سورہ انعام' آیت ۱۶۴)۔

غیر اللہ کو دعا کے لئے مت پکارو

☆ اگر تم ان کو راستہ پر بلاؤ تو تمہارے ساتھ بھی نہیں آ سکتے پھر ان سے دعا کرو یا نہ کرو۔ پکارو یا چپ رہو دونوں برابر ہیں۔ (سورہ الاعراف' آیت ۱۹۳)۔

آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں (مدفون) ہیں

☆ تم جن ہستیوں کو اللہ کے سوا صاحب اقتدار سمجھتے ہو وہ ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتیں اگر تم ان کو پکاروں بھی تو وہ تمہاری پکار (اول تو) سنیں گے نہیں اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو تمہیں اس کا جواب نہیں دے سکتے۔ مردہ اور زندہ برابر نہیں ہو سکتے۔ (سورہ فاطر' آیت ۲۰ تا ۲۲)۔

مدد کے لئے صرف اللہ کو پکارو

☆ اور اللہ کے سوا جس کسی کو بھی دعا کر کے پکارتے ہو ان میں تمہاری مدد کو پہنچنے کی طاقت نہیں بلکہ خود یہ لوگ اپنی مدد آپ بھی نہیں کر سکتے۔ (سورہ الاعراف' آیت ۱۹۷)۔

قبروں پر سجدہ کر کے شیطان کے کرتوتوں میں مت پھنسو

☆ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو اس حال میں پایا کہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ شیطان نے ان کے کالے کرتوت کو ان کی نگاہ میں بھلا کر دکھایا ہے اب اصل راستہ سے ایسے کچھ ہٹ گئے ہیں کہ ان کو صحیح راستہ نہیں مل سکتا۔ (سورہ النحل' آیت ۲۴)۔

اللہ تعالیٰ سے براہ راست مانگو کسی وسیلے کو تلاش مت کرو

☆ یہ لوگ جنہیں حاجت روائی کو پکارتے ہیں ان کا حال تو یہ رہا تھا کہ وہ خود اپنے رب کے حضور زیادہ قریب ہونے کے لئے وسیلہ تلاش کرتے رہے اور اس کی رحمت کے امیدوار بنے رہے اور اس کے عذاب کا خوف رکھتے تھے بے

شک آپ کے رب کا عذاب ہے بھی ڈرنے کی چیز۔ (سورہ اسرائیل' آیت ۵۷)۔

جن ظالموں پر جنت حرام ہو جاتی ہے

☆ یاد رکھو جو کوئی اللہ کی حاکمیت میں اوروں کو بھی شریک کر لیتا ہے تو اس پر جنت حرام ہو جاتی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے اور ایسے ظالم لوگوں کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوتا۔ (سورہ مائدہ' آیت ۷۲)۔

شرک انسان کی جانور کی سطح پر لاتا ہے

☆ ان کی حالت پر غور کرو۔ جنہوں نے اپنی جذبات و خواہشات کو یہی خدا بنا لیا ہے کیا تم ایسے لوگوں کی وکالت کر سکتے ہو۔ کیا ان کی اکثریت کے متعلق تم سمجھتے ہو کہ ہمارے دلائل و براہین پر کان دھرتے یا عقل وفکر سے کام لیتے ہیں یہ تو محض جانوروں کی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ ان سے گئے گزرے۔ (سورہ الفرقان' آیات ۴۳۔۴۴)۔

کسی کی بھی سفارش قبول نہیں کی جائے گی

☆ اور ڈرو اس دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے مطالبہ ادا کر سکتا ہے اور نہ کسی کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کے لئے کوئی مدد پہنچ سکتی ہے۔ (سورہ البقرہ' آیت ۴۸)۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مشکل کشا نہیں۔ کسی بھی شخص کو مختار کل اور عالم الغیب ماننا یا جاننا شرک ہے۔ (۲/۲۸۶)' (۳/۲)' (۶/۴۱)' (۱۰/۲۰)' (۱۴/۲۰)' (۲۲/۵۹)' (۱/۴)' (۵/۱۱۶۔۱۱۷)' (۱۰/۲۸۔۲۹)' (۱۹۴/۷)' (۴۶/۵)۔

اللہ کے یہاں سفارشی مقرر کرنا شرک ہے

☆ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر انکی اطاعت کرتے ہیں جو انہیں نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے کہو کیا تم اللہ کو اپنے متعلق ان کے ذریعے مطلع کرنا چاہتے ہو جن کی اپنی حالت یہ ہے کہ زمین و آسمان میں کسی بات کا علم نہیں رکھتے اللہ ان سے بہت بلند ہے جنہیں تم اس کا شریک قرار دیتے ہو۔ (سورہ یونس' آیت ۱۸)۔

اللہ کے سوا دوسرے ولی

☆ کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اولیاء بنا لیا ہے یاد رکھو ولی تو صرف اللہ ہے وہی مردوں کو زندگی عطا کرتا ہے اور اس نے تمام چیزوں کے لئے پیمانے اور قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ (سورہ شوریٰ' آیت ۹)۔

دنیا میں جنہوں نے اللہ کا شریک بنایا وہ قیامت کے دن ذلیل وخوار ہونگے

☆ پھر قیامت کے دن اللہ انہیں بہت ذلیل کرے گا اور فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم دنیا میں لڑائی جھگڑا مچاتے تھے۔ جاننے والے اس دن بول پڑیں گے کہ حق کے انکاریوں پر آج کے دن بہت رسوائی اور بڑا عذاب ہے۔ (سورہ النحل' آیت ۲۷)۔

اللہ تعالیٰ کے علم اور قانون کے مطابق اولاد پیدا ہوتی ہے مزاروں پر جا کر اولاد مت مانگو

☆ آسمانوں اور زمین کی حاکمیت اللہ کی ہے جسے چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے جسے چاہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہے بیٹے دیتا ہے جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں ملا کر عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ رکھتا ہے علم اور قدرت والا وہی ہے۔ (۴۲/۴۹۔۵۰)۔

ان واضح اور روشن دلائل کی موجودگی میں ہمیں سوچنا چاہئے کہ آخر ہم کیوں شرک میں مبتلا ہو کر جرم عظیم کا ارتکاب کریں۔لیکن ان سادہ لوگوں کو ایک مفاد پرست گروہ نے گمراہی میں اس طرح مبتلا کر دیا ہے کہ ان کے سوچنے' سمجھنے کی صلاحیت کو منجمد کر دیا گیا ہے اور یہ عقدہ وضع کر دیا گیا کہ مزارات پر جانا' فاتحہ خوانی' نذر و نیاز' ایصال ثواب و وسیلہ وقبروں پر جا کر مردوں سے استدعا کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری بات پہنچا دیں اس کو ذریعہ نجات سمجھا گیا۔ یہ سب ہمارے اپنے پیدا کردہ اعتقادات ہیں۔قرآن نے اس کی کوئی سند نہیں دی۔اس مفاد پرست گروہ نے یہ عقیدہ بھی وضع کیا کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں صرف پردہ کر لیتے ہیں ان کی روحانی قوتیں ان کے پردہ کرنے کے بعد بھی بدستور باقی رہتی ہیں۔ یہ تدبیر بڑی کامیاب رہی وہ جو کہتے ہیں کہ ہاتھی جینے کا ایک لاکھ۔مرنے کا سوا لاکھ۔ وہ مثل ان پر صحیح صادق آتی ہے۔ ان کی وفا کے بعد ان کے مزارات پر مرادیں مانگنے والوں کا ہجوم اس سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔جس قدر ان کی زندگی میں ہوتا تھا۔اس طرح یہ قبریں مستقبل جاگزیں بن گئی ہیں۔

دراصل اسلام دین ہے مذہب نہیں۔ مذہب کا تو لفظ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہیں لکھا ہر جگہ ''الدین اسلام'' ہی لکھا گیا ہے لیکن ان مفاد پرستوں نے اسے مذہب بنا کر ہی چھوڑا تاکہ اس طرح کے عقائد وضع کئے جائیں جس طرح ہندو مذہب میں رائج تھے یا ہیں۔لیکن مجھے یہ ضرور عرض کرنا ہے کہ ہمارے بزرگان دین اولیاء اکرام وغیرہ قابل احترام ہستیاں تھیں انہوں نے اسلام کی بہت زیادہ خدمت کی تھی لہٰذا ان کی صحیح تعلیمات پر عمل کرنا ہمارے لئے باعث فخر ہے لیکن افسوس ان مفاد پرست گروہ نے ان کی صحیح تعلیمات کو بھی مسخ کر دیا اور من گھڑت جھوٹے افسانے ان کی طرف منسوب کر دیئے اور ان افسانوں میں انہیں معبود کا درجہ دے دیا یہی تو شرک ہے جس سے ہر پیروکار کو بچنا چاہئے۔آخر میں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شرک سے محفوظ رکھے آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علی محمد چدھڑ

ایک سبق آموز کتاب

جاوید چوہدری ایک دانشور، صحافی اور پاکستانی بلکہ انسانی معاشرے پر گہری نظر رکھنے والا مقبول کالم نویس ہے۔ اس کی ایک نہایت سبق آموز کتاب زیرو پوائنٹ نامی اس وقت میرے سامنے ہے۔ میں نے اس سے چند تعمیری اور معنی خیز اکتباسات اپنے قارئین اور حکمرانوں کے لئے منتخب کئے ہیں۔ امید ہے میری یہ کوشش پسند فرمائی جائے گی۔

نقب زن

''میں گوروں کا بہت احترام کرتا تھا۔ لیکن برطانیہ کی سابق وزیراعظم مارگریٹ تھیچر نے یہ انکشاف کر کے مجھے بالکل ہی مایوس کر دیا کہ 10 ڈاؤننگ سٹریٹ (برطانیہ کے وزیراعظم ہاؤس) میں صرف 70 افراد پورے برطانیہ کا نظام چلا رہے ہیں۔'' (ص 75)

مسز تھیچر کا کہنا ہے۔ 10 ڈاؤننگ سٹریٹ آفس کم اور گھر زیادہ ہے جہاں ہم 70 افراد ایک خاندان کی طرح رہتے تھے۔ میری مصروفیات اتنی زیادہ تھیں کہ مجھے یاد نہیں کہ میں چار گھنٹے سے زیادہ سوئی ہوں۔ میرے آفس کے اوپر وزیراعظم کے لئے ایک چھوٹا سا فلیٹ تھا۔ اس تک پہنچنے کے لئے کوئی لفٹ نہیں تھی لہٰذا مجھے سیڑھیوں کے ذریعے آنا جانا پڑتا تھا۔ لیکن اس کا ایک فائدہ تھا۔ اس طرح اوپر نیچے جانے آنے سے میری اچھی خاصی ورزش ہو جاتی تھی۔ کچھ فلیٹ بھی چھوٹا سا تھا۔ دوسرا اس کی صفائی کے لئے وقت نہ ہونے کے باعث مزید چھوٹا محسوس ہوتا تھا۔ ویسے عام حالات میں مجھے اس کے مختصر ہونے کا احساس نہیں ہوتا تھا لیکن جب کوئی مہمان آ جاتا تو مجھے اخبارات، فائلیں اور کاغذات سمیٹ کر اس کے لئے جگہ بناتے ہوئے بڑی شرمندگی ہوتی۔'' (ص 75)

تھیچر کا دعویٰ ہے۔ مجھے ہفتے میں 4 سے 7 ہزار تک خطوط موصول ہوتے تھے۔ جو خطوط والے سیکشن سے ہو کر مجھ تک پہنچتے۔ ان میں سے ایک بھی ایسا خط نہیں ہوتا تھا جسے میں ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کی جرأت کر سکتی۔ چنانچہ خطوط کو پڑھنا ان میں دیئے گئے نکات پر غور کرنا اور پھر ان پر حکم جاری کرنے سے قبل برطانوی آئین اور قانون کے تقاضوں کو مدنظر رکھنا۔ بڑا کڑا مرحلہ ہوتا تھا۔ لیکن کرنا تھا سو کیا۔'' (ص 76)

میں سوچتا ہوں یہ ملک یہ میرا ملک پاک سرزمین شاد باد مارگریٹ تھیچر سے بڑی سلطنت اور اس کا وزیراعظم مارگریٹ تھیچر اور ٹونی بلیئر سے بڑا وزیراعظم ہے۔ کہ اس کے تصرف میں سینکڑوں ایکڑ پر پھیلا وزیراعظم ہاؤس۔ چھ منزلہ

عظیم الشان سیکریٹریٹ اور ڈیڑھ دو ہزار کا عملہ۔ لیکن اس کو پوچھنے والا کوئی نہیں۔'' (ص 77)

میں جب سوچتا ہوں سلطنتوں' امارت اور غربت کا پیمانہ کیا ہوتا ہے تو جواب آتا ہے جن ملکوں کے حکمران غریب ہوتے ہیں۔ وہ ملک امیر ہوتے ہیں۔ لیکن جن ملکوں کے حکمران فرعون بن کر ایوان میں داخل ہوتے ہیں اور قارون بن کر نکلتے ہیں۔ وہ ملک غریب ہوتے ہیں۔ سیانے کہتے ہیں۔ امیر چوکیدار' چوکیدار نہیں نقب زن ہوا کرتے ہیں۔ (ص 77)

(نوٹ) اس کالم کے لئے تمام معلومات مارگریٹ تھیچر کی خودنوشت ''دی ڈاؤننگ ایئرز سے لی گئیں)۔

احتجاج نہ احتساب

جی ہاں جب میں نے عرض کیا کہ امیر چوکیدار چوکیدار نہیں نقب زن ہوتا ہے۔ تو بے شمار دوستوں نے خطوط اور ٹیلی فون کے ذریعہ پوچھا کیا ساری جدید دنیا کے تمام صدور اور وزرائے اعظم کی طرز معاشرت 10 ڈاؤننگ سٹریٹ جیسی ہی ہے؟ امیر ممالک کے حکمران برطانوی وزیراعظم ہی کی طرح کنجوسی کی زندگی گزار رہے ہیں تو یقین فرمائیں جوں جوں یہ سوالات میرے ذہن سے ٹکراتے گئے مجھے جدید دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں کی ذاتی زندگی کی بے شمار محرومیاں' کمیاں اور کمزوریاں یاد آتی رہیں۔'' (ص 78)

مجھے فیلڈ مارشل منٹگمری یاد آ گیا۔ جنگ عظیم دوم کا سپریم کمانڈر جس کی کمان میں اتحادیوں کی فوج نے نازیوں کی پھیلتی ہوئی آگ بجھا دی۔ جس کے احکامات نے جاپان جیسی طاقت کو گورے سپاہیوں کے قدموں میں سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا اور جس کی جنگی حکمت عملی آج بھی دنیا بھر کے عسکری نیلس کا حصہ ہے۔ جب یہ جنرل ریٹائر ہوا تو اس کے پاس رہنے کے لئے ایک فلیٹ تک نہیں تھا۔ وہ کبھی کرائے پر اس گلی میں رہتا اور کبھی مالک مکان سے لڑ جھگڑ کر کسی دوسری جگہ جا ٹھکانہ بناتا۔ جب یہ نقل مکانی اذیت دینے لگی تو وزیراعظم کے پاس گیا۔ ملک کے آئینی سربراہ نے 10 ڈاؤننگ سٹریٹ کے گیٹ پر دنیا کے عظیم سپہ سالار کا استقبال کیا۔ اسے نہایت عزت و احترام سے دفتر لایا۔ کرسی پر بٹھایا اور خود احتراماً اس کے سامنے کھڑا رہا۔ چند فقروں کے تبادلے کے بعد وزیراعظم نے تکلیف کرنے کی وجہ پوچھی۔ تو فیلڈ مارشل نے بریف کیس کھول کر ایک درخواست وزیراعظم کے سامنے رکھ دی۔ وزیراعظم نے ٹیبل لمپ جلایا۔ چشمہ ناک پر درست کیا اور درخواست پڑھنا شروع کر دی۔ درخواست میں فیلڈ مارشل نے دوسری جنگ عظیم میں اپنے کارنامے گنوانے کے بعد حکومت سے درخواست کی۔ میرے پاس رہنے کے لئے گھر نہیں ہے۔ بہت بوڑھا ہو چکا ہوں۔ بار بار گھر نہیں بدل سکتا۔ مہنگائی بھی بہت ہے۔ کرایہ نہیں دے سکتا۔ لہٰذا مہربانی فرما کر مجھے ایک فلیٹ یا زرعی زمین کا ایک ٹکڑا الاٹ کر دیا جائے۔ وزیراعظم نے چشمہ اتارا ٹیبل لمپ بجھایا اور بڑے آرام سے بولا ''سر'' اس میں کوئی شک نہیں دوسری جنگ عظیم میں آپ کی خدمات پوری دنیا کے لئے قابل احترام ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں دنیا میں اس وقت تک آپ کے پائے کا کوئی جرنیل نہیں۔ لیکن ''سر'' آپ زندگی بھر اپنی خدمت کا معاوضہ لیتے رہے ہیں۔ گریٹ برٹن نے کبھی آپ کی تنخواہ لیٹ نہیں کی اور سرا گر اس کو بھی فراموش

کر دیا جائے تو بھی پرائم منسٹر آف گریٹ برٹن کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں جس کے ذریعے وہ سپریم کمانڈر کو ایک فلیٹ الاٹ کر سکے۔''آئی۔ایم۔سو ساری سر'' ساتھ ہی وزیراعظم نے ایڑیاں بجائیں اور بوڑھے فیلڈ مارشل کو سمارٹ سا سیلوٹ پیش کر دیا۔''(ص 79)۔

مجھے گولڈہ مائیر یاد آ گئی۔ اسرائیل کی گولڈہ مائیر جس نے چند پہاڑیاں' تھوڑے سے بنجر چٹیل میدانوں اور دنیا میں بکھرے چند لاکھ لوگوں کو دنیا کی سب سے بڑی اقتصادی قوت بنا دیا۔ 73ء کی یوم کپور جنگ سے پہلے جب ایک امریکی سینیٹر (جو کانگریس کی کمیٹی آف آرمڈ کا سربراہ بھی تھا) اس سے ملنے اسرائیل آیا۔ تو اسے سیدھا گولڈہ مائیر کی رہائش گاہ پر لے جایا گیا۔ جہاں امریکی سینیٹر ایک عام سی گھریلو خاتون کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خاتون نے سینیٹر کا استقبال کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیدھی کچن میں لے گئی جہاں اسے چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل پر بٹھایا گیا۔ گولڈہ مائیر نے سفارتی گفتگو کے آغاز کے ساتھ ہی چولہے پر چائے کے لئے پانی رکھ دیا۔ پھر ٹیبل پر آ بیٹھی اور امریکی سینیٹر سے جہازوں اور ایم 16۔ کا سودا شروع ہو گیا۔ بھاؤ' تاؤ اور ابتدائی شرائط پر گفتگو کے دوران میں گولڈہ مائیر چپکے سے اٹھی اور پیالیوں میں چائے بھر کر لے آئی ایک کپ امریکی سینیٹر کے سامنے رکھا اور دوسرا گیٹ پر کھڑے امریکی گارڈ کو پکڑا آئی گفتگو پھر شروع ہوئی شرائط طے پانے لگیں۔ اس دوران اس نے پیالیاں سمیٹیں اور ٹونٹی کھول کر انہیں دھونے لگی۔ دوبارہ ٹیبل پر بیٹھی اور امریکی سینیٹر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ مجھے یہ سودا منظور ہے۔ آپ تحریری معاہدے کے لئے اپنا سیکریٹری میرے سیکرٹری کے پاس بھجوا دیجئے۔''(ص 79)۔

فلاش

میں سوچ رہا تھا کہ ملک سے محبت کرنے والے باصلاحیت لوگوں کے بغیر بھی کوئی ملک خود انحصاری کے راستے پر چل سکتا ہے؟ ہاں محترم قارئین قوموں کا سرمایہ' کھیت' فیکٹریاں' گاڑیاں' ادارے اور نوٹوں سے لبالب بھری تجوریاں نہیں ہوتا۔ لوگ ہوتے ہیں۔ اپنے ملک سے محبت کرنے والے ہنرمند لوگ۔۔۔

کسی قوم کا ایک دانشور' عالم یا سائنسدان حالات سے پریشان ہو کر نقل مکانی کر جائے تو اس قوم سے بڑی قلاش قوم اور نہیں ہوتی۔ خواہ اس کے سارے پہاڑ سونا بن جائیں۔ ساری ندیوں' سارے دریاؤں اور سارے بیراجوں میں تیل بہنے لگے اور اس کے سارے درختوں سے اشرفیاں اترنے لگیں''۔(ص 64)۔

غریب لوگ

مجھے گورباچوف یاد آ گیا۔ جسے ایوانِ اقتدار سے فراغت کے بعد ماسکو میں فلیٹ نہیں مل رہا تھا۔ ہاں مجھے بہت غریب لوگ یاد آ گئے جو امیر ممالک کے غریب چوکیدار تھے اور جنہیں عوام نے اپنی حفاظت اور اپنے نظام کے لئے ایوانوں میں بھیجا تھا۔

ہاں قارئین کرام میں آپ سے پھر سوال کرتا ہوں۔ اتنے بڑے گورنر ہاؤسز' وزیراعظم ہاؤس' ایوان صدر' پارلیمنٹ ہاؤس اور پرائم منسٹر سیکریٹریٹ کی موجودگی میں اس ملک کو غریب کہا جا سکتا ہے؟ اگر یہ غریب ہے تو پھر حکمران طبقے کو اس عیاشی پر ٹوکنے والا کوئی نہیں۔ خدا کی قسم اگر صرف وزیراعظم ہاؤس اور ایوان صدر کی ایک روز کی بجلی بچا لی جائے تو پنڈی بھٹیاں جیسے نصف درجن قصبوں کے پورے ماہ

کے بل ادا کئے جا سکتے ہیں۔لیکن افسوس اس ملک میں کوئی احتجاج کرنے والا بچا ہے نہ ہی احتساب کرنے والا۔‘‘ (ص81)

اگر یہ سویڈن ہوتا

اگر یہ سویڈن ہوتا تو قارئین کرام! یقیناً ہمارے وزیراعظم کو بھی اپنی گاڑی دو میل پیچھے کھڑی کرنا پڑتی۔انہیں بھی وہاں سے بھاگ کر میٹنگ روم آنا پڑتا‘ انہیں بھی عام فلائٹوں پر اکانومی کلاس میں سفر کرنا پڑتا۔ انہیں بھی سفارتخانوں کی معمولی گاڑیوں پر وائٹ ہاؤس جانا پڑتا۔ انہیں بھی نیاگرا فال دیکھنے کے لئے ذاتی جیب سے ٹرینوں‘ ٹراموں اور ٹیکسیوں میں سفر کرنا پڑتا۔ انہیں بھی دس روزہ دورے کے لئے آٹھ چھٹیاں لینا پڑتیں۔

ہاں اگر یہ سویڈن ہوتا تو آج دنیا ہمیں ایسی قوم نہ کہہ رہی ہوتی جو مانگے کی شراب بھی ہیرے جڑے پیالوں میں پیتی ہے۔

اگر یہ سویڈن ہوتا کاش یہ سویڈن ہوتا! (ص88)

معاف کیجئے گا

سویڈن کی مثال لیں۔شہنشاہ کا محل سٹاک ہوم کے سنٹر میں ہے شاہانہ طرز کے اس قدیم محل کے بالکل ساتھ بسوں کا اڈہ ہے۔ ہز میجسٹی نے شہر کی انتظامیہ کو لکھا۔

’’میرے سٹڈی روم میں دن بھر دھواں اور شور آتا رہتا ہے۔جس سے میرے مطالعہ میں خلل پڑتا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر یہ اڈہ کسی دوسری جگہ شفٹ کر دیں۔ انتظامیہ نے طویل غور وخوض کے بعد جواب دیا۔ بادشاہ سلامت ہم آپ کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ہمیں آپ سے ہمدردی بھی ہے لیکن اس تمام تر ہمدردی کے باوجود یہ بھی سچ ہے کہ آپ کا مسئلہ ایک فرد کی پرابلم ہے۔ اس کے ازالے کے لئے ہم اگر اڈہ شفٹ کر دیں تو سینکڑوں افراد متاثر ہوں گے۔ جو کسی بھی طرح قرین انصاف نہیں۔ لہٰذا جناب بادشاہ سلامت آپ کو باقی زندگی اس دھوئیں اور شور کے ساتھ ہی گزارنا ہوگی۔ ہماری معذرت قبول فرمائیے۔‘‘ (ص98)۔

شریعت کے نفاذ کے بعد

جناب عالی ذرا یہ تو بتائیے کیا اس شریعت کے نفاذ کے بعد سویڈن کے بادشاہ کی طرح ہمارا صدر بھی ایک عام پاکستانی شہری کے سٹیٹس پر آ جائے گا۔ایک عام پولیس انسپکٹر وزیراعظم کو وارننگ دے سکے گا۔ وزراء کی گاڑیوں کے چالان ہوں گے اور ان سے ان کی آمدنی کے ذرائع پوچھے جا سکیں گے؟ قانون کی نظر میں ایک موچی اور ہزاروں مربعوں کے مالک جاگیردار برابر ہو جائیں گے؟ اور کیا یہ شریعت غلام اور آقا کا باہمی فاصلہ‘ کمی اور چودھریوں کی تفریق مزارع اور سردار کی درمیانی خلیج مٹا دے گی؟ کیا یہ انسانوں کو ایک نظر‘ ایک سطح اور ایک زاویے سے دیکھے گی۔ (ص100)

جی ہاں اگر پندرھویں ترمیم کے بعد بھی ہوٹر بجتے رہیں۔ کھلی کچہریوں میں درخواستیں لے کر آنے والے مظلوموں پر اسی طرح ڈنڈے برسائے جاتے رہیں۔ سیاستدانوں کے پروردہ غنڈے اسی طرح عورتوں کو بازاروں میں گھسیٹتے رہیں اور وزیروں‘ مشیروں اور ارکان اسمبلی کے چاچے اور بچے بچونگڑے اسی طرح ڈیروں پر انصاف کرتے رہے۔ تو پھر معاف کیجئے گا۔ اس شریعت کا نتیجہ بھی وہی نکلے گا جو بھٹو کے روٹی‘ کپڑا اور مکان کا نکلا تھا۔ یا پھر جنرل ضیاء کی سائیکل سواری کا برآمد ہوا تھا۔ (ص100)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضیاء اللہ گوجرہ

”تجویز“

جو تراشیدۂ ادوارِ ملوکیت ہے
کیوں نہ اُس دفترِ باطل کو جلا کر رکھ دیں

سینکڑوں سال کا بُت خانۂ اسرارِ عجم
ضربتِ قوتِ تحقیق سے ڈھا کر رکھ دیں

وا درِ جادۂ تحقیق ہو یکبارِ دِگر
بندشِ حلقۂ تقلید مٹا کر رکھ دیں

کیوں ہو وابستہ روایات وخرافات کے ساتھ
کیوں نہ قُرآں سے غِلافوں کو ہٹا کر رکھ دیں

جو بھی ہو باعثِ تفریق مسلمانوں میں
ایسی ہر مسجدِ ضرار گِرا کر رکھ دیں

عام دُنیا میں ضیآء نظمِ ربوبیت ہو
سنگِ بُنیادِ زر و سیم ہِلا کر رکھ دیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغات القرآن

ب ل س

آبلس۔ کے معنے ہیں وہ ناامید ہوگیا۔ مایوس ہو گیا۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنے یہی لکھے ہیں۔ (**اذا هم فيه مبلسون** ''وہ ناگہاں اس میں مایوس ہو جائیں گے''۔ ۷/۲۱)۔ نیز دہشت زدہ اور متحیر ہو جانا۔ (پرانی سامی لغت میں اس کے معنے تھے ''کچل کر مار ڈالنا۔ روند ڈالنا''۔

ابلیس۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ابلس ہی سے مشتق ہے اور اس کے معنے ہیں رحمت خداوندی سے ابدی طور پر مایوس اور ناامید۔ لیکن دوسرے ائمہ لغت نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ عربی لفظ نہیں بلکہ معرب ہے۔

قرآن کریم میں ابلیس کو سرکشی اور بغاوت کے پیکر کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ آبی واستکبر واکان من الکافرین (۲/۳۴)۔ ''اس نے حکم خداوندی کی اطاعت سے انکار کیا۔ خدا سے بغاوت و سرکشی اختیار کی اور کہنا نہ ماننے والوں میں سے ہو گیا''۔ اس کے برعکس ملائکۃ ہیں جن کی فطرت میں اطاعت وانقیاد رکھ دیا گیا ہے (**فسجد الملائكة كلهم اجمعون** ''تمام کے تمام ملائکہ نے سجدہ کر دیا'' (۳۷/ ۳۸)۔ کائنات میں صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو قوانین خداوندی کی اطاعت کرے اور چاہے ان سے سرکشی برت لے۔ کائنات کی کسی اور شے کو معصیت (قانون خداوندی کی خلاف ورزی) کا اختیار نہیں دیا گیا۔ انسان' قانون خداوندی کی اطاعت سے سرکشی اس وقت اختیار کرتا ہے جب وہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ یہ جذبات اسے (عالمگیر مفاد کلی کے مقابلہ میں) ذاتی مفاد پرستی پر ابھارتے ہیں اور وہ قوانین خداوندی کو پس پشت ڈال کر ان مفادات کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ پھر اس کی عقل اسے وہ طریقے بتاتی ہے جن سے وہ ان مفادات کو حاصل کر سکے۔ قرآن کریم نے ایسے جذبات اور ان کے بروئے کار لانے والے سامان و ذرائع (عقل حیلہ جو کے بتائے ہوئے طرق وحیل) کو ابلیس کہہ کر پکارا ہے' اور اس کی سرکشی کی بنا پر اس کے متعلق کہا ہے کہ اس کی تخلیق آتش (نار) سے ہوئی ہے (۱۲/ ۷)۔ اور چونکہ انسانی جذبات آنکھوں سے پنہاں ہوتے ہیں اور غیر محسوس طور پر مصروف عمل رہتے ہیں اس لئے **كان من الجن** (۱۸/۵۰) کہا ہے (جن کے معنی ہیں چھپا ہوا)۔ نیز چونکہ انسان کے یہ جذبات اور اس کے یہ اختیارات جس کی رو سے

یہ قوانین خداوندی سے سرکشی برت سکتا ہے' انسان کے ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور جب تک انسان زندہ رہتا ہے اس وقت تک یہ ساتھ رہتے ہیں' اس لئے قرآن نے آدم کی جو سرگزشت بیان کی ہے (دیکھئے عنوان ادم) اس میں ابلیس بھی آدم کے ساتھ ہی نمودار ہو جاتا ہے اور اسے انسانوں کے ساتھ ہی اس وقت تک مہلت دی گئی ہے جب تک انسان اس دنیا سے اٹھ نہیں جاتے۔ **رب فانظرنی الی یوم یبعثون** (۳۶/ ۱۵)۔ مزید برآں دیکھئے تتمہ ص ۱۸۱۸ جلد چہارم عنوان ب ل س۔

جو انسان قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کر لیتا ہے وہ ان تمام سعادتوں اور خوشگواریوں سے محروم رہ جاتا ہے جو ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اس لئے ابلیس کو محروم و ناامید کہا گیا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اس قانون کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں ان کے متعلق کہا ہے کہ **لا خوف علیھم و لاھم یحزنون** (۲/۳۸)۔ ''ان پر کسی قسم کا خوف وحزن نہیں ہو گا۔'' انہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ ابلیس کا ان پر کسی قسم کا غلبہ و تسلط نہیں ہوگا (۱۵/ ۴۲)۔

قرآن کریم میں ابلیس اور شیطان کو ایک ہی سکے کے دو رخ' اور ایک ہی حقیقت کے دو پہلو بتایا گیا ہے۔ مثلاً قصۂ آدم میں دیکھئے۔ سجدے سے انکار۔ سرکشی وتکبر۔ ذریت آدم کو بہکانے کا چیلنج۔ سب ابلیس کی طرف سے ہے۔ لیکن اس کے بعد جب آدم کی لغزش کا ذکر ہے تو اسے شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے (**فازلھما الشیطان عنھا**۔ ۲/۳۹۔ نیز دیکھئے ۲۰۔ ۱۱/ ۷، ۱۲۰۔ ۱۱۶/۲۰)۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابلیس ایک خاص ذہنیت کا نام ہے اور جس انداز سے وہ ذہنیت کام کرتی ہے اسے شیطان کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (شیطان کے لئے دیکھئے عنوان ش۔ ط۔ ن۔ نیز ان تمام امور کی تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''ابلیس و آدم'' جو سلسلۂ معارف القرآن کی ایک کڑی ہے) ابلیس اور شیطان (ناامیدی وسرکشی) درحقیقت وہ موانع ہیں جو انسانی خودی کی نشوونما کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ اگر انسانی خودی ان موانع پر غالب آ کر اپنی استحکام کا ثبوت دیتی ہے تو سلسلہ ارتقاء میں اس کا قدم آگے بڑھ جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ موانع اس پر غالب آ جاتے ہیں تو وہ زندگی کی نچلی (حیوانی) سطح میں دب کر رہ جاتی ہے۔ زندگی درحقیقت ''ابلیس وآدم'' کی اسی کشمکش کا نام ہے۔ اس لئے آدم کے ساتھ ابلیس کا وجود ناگزیر ہے۔ مخالفت (Opposition) اور تصادمات (Clashes) کے بغیر انسانی ذات میں استحکام پیدا نہیں ہو سکتا۔ یا یوں کہئے کہ اس کی قوت واستحکام کا امتحان (Test) نہیں ہوسکتا۔ نہر کی مسلسل روانی کے لئے ٹھوکر (Fall) کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کیا ٹھوکر کے پتھر' نہر کے پانی کے لئے بند بن کر اسے جوئے رواں سے جوہڑ بنا دیتے ہیں۔ یا نہر کا پانی اپنے زور دروں سے ان پتھروں کو پھاند کر آگے نکل جاتا ہے؟ ایسے راستے تلاش اور اختیار کرنا جن میں پتھر نہ ہوں (یعنی مسلک۔ رہبانیت و خانقاہیت) اپنی روانی کو اپنے ہاتھوں ختم کر لینا ہے۔ زندگی مسلسل جدوجہد (جہاد) کا نام ہے۔ یعنی ابلیس وآدم کی پیہم کشمکش کا۔

اوپر کہا گیا ہے کہ ابلیس (ناامیدی) اور شیطان (سرکشی) ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ علم النفس (سائیکالوجی) کی تحقیقات حاضرہ اس نظریہ کی تائید کرتی ہیں کہ ناامیدی (Frustration) سے سرکشی کے جذبات (Aggressiveness) پیدا ہوتے ہیں۔ جب انسان دیکھتا ہے کہ وہ کچھ نہیں ہو رہا جو کچھ وہ چاہتا ہے تو اسی میں غصہ ابھرنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس غصے کو اگر وہ خود اپنے آپ کے خلاف نکالتا ہے تو یہ پریشانی (Worry) یا افسردگی و غمگینی (Gloominess) ہوتی ہے جس کی آخری شکل خودکشی (Suicide) ہے۔ جب اس غصہ کا مظاہرہ اس شخص یا شے کے خلاف ہو جو اس کی مایوسی کا باعث تھی تو اسے انتقام کہتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس سے انتقام نہ لے سکے تو غیر متعلقہ چیزوں کے خلاف اپنا غصہ نکالتا ہے۔ یہ پاگل پن کی ابتدا ہوتی ہے۔

اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ مایوسی اور سرکشی میں کس قدر گہرا تعلق ہے، یہی تعلق ابلیس اور شیطان میں ہے۔ یہ انسان کی نفسیاتی کیفیات ہیں۔ قرآن ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں افراد کے لئے مایوسی کے مواقع پیدا نہیں ہوتے۔ **لا تقنطوا من رحمة الله** (۳۹/۵۳)۔ ''اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو'' وہاں کا معمول ہوتا ہے اور یہ رحمت (سامان نشوونما) زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہوتا ہے (**و رحمتی وسعت کل شیئ** (۱۵۶/۷)۔ لہٰذا اس قرآنی معاشرہ میں ابلیسیت کسی پر غالب نہیں آ سکتی۔ اسی لئے ابلیس سے کہا گیا ہے کہ **ان عبادی لیس لک علیهم سلطن** (۱۵/۴۲)۔ ''یقیناً میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکے گا''۔ نیز دیکھئے عنوانات (ق۔ن۔ط) اور ی۔أ۔س)۔

سورۃ النحل

(نوواں درس.....آیات 91 تا 93)

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سابقہ درس کا خلاصہ

عزیزان من! آج اپریل 1975 کی 13 تاریخ ہے اور درس قرآن کریم کا آغاز سورہ النحل کی آیت 91 سے ہو رہا ہے۔ سابقہ آیات میں یہ بتایا گیا تھا کہ یہ جو بار بار قرآن میں کہا گیا ہے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی میں وحی کی رو سے متواتر یوں کہئے کہ آخری چھ سات سال چھوڑ دیئے جائیں تو پندرہ سولہ سال سے یہ جو کہا جا رہا تھا کہ باطل کے نظام کی بنیادوں میں خرابی کی صورت ہوتی ہے۔ وہ قائم رہ نہیں سکتا۔ اور جب یہ بات کہی جا رہی تھی تو ایک طرف تو عرب کے دائیں بائیں دو نظام تھے۔ دو نہیں نظام تو ایک ہی تھا مملکتیں دو تھیں۔ ایک طرف کسریٰ کی مملکت جسے ایران کہا جاتا تھا۔ دوسری طرف قیصر کی مملکت روم یا بازنطینی حکومت۔ اس دور میں ساری دنیا میں یہی دو مملکتیں تھیں جو بلند ترین تہذیب و تمدن اور نظام کی دائی تھیں اور مظاہر تھیں۔ چین کی تہذیب اس سے بہت پہلے ختم ہو گئی ہوئی تھی۔ اس کے معنے میں یہی دو ممتاز ترین تہذیبیں تھیں یا نظام تھے۔ دو میں نے صرف اس لئے کہا ہے کہ دو الگ مملکتیں تھیں اور دو الگ مذاہب بھی تھے۔ اقوام بھی الگ تھیں۔ بنیاد دونوں کی ایک ہی تھی۔ انسانوں کی حکومت دوسرے انسانوں پر۔ اور وہ اپنی شدید ترین شکل میں یہ تھی اس لئے کہ یہ قدیم ترین مملکتیں تھیں۔ ان کی قوت کا ٹھکانا ہی کچھ نہیں تھا صاحب۔ یہ چھوٹی چھوٹی سی ریاستیں، مملکتیں، سلطنتیں جو ان کے گرد و نواح تھیں ان کو تو کبھی یہ جرات ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکیں۔ ان کی آپس میں لڑائیاں ہوتی تھیں۔ گویا Big Powers جسے آج ہم یہ کہتے ہیں Three Big Powers وہ اس زمانے کی Two Big Powers تھیں۔ خود عرب، جہاں سے اس نئے پیغام کا ظہور ہوا قریش کی مملکت تو نہیں تھی قریش کا اپنا ایک نظام تھا اور عرب میں تو اس کا جواب نہیں۔ اس معنے میں کہ وہ کعبہ جو مرکز تھا ان کی قومیت کا اس میں تقدس کا جذبہ شامل کر دیا گیا تھا۔ اس اعتبار سے یہ قریش جو تھے ان کا تسلط اور ان کا تغلب جو تھا وہ اہل ایران اور اہل روما سے بھی کہیں زیادہ تھا اپنے لوگوں پہ، مذہب کا نقاب اڑھا کر جب تسلط یا سیاست کو سامنے لایا جائے تو اس کی جگہ تو دلوں کے اندر پیوست ہو جاتی ہے۔ یہ جو پیغام دیا جا رہا تھا یہ اس بنیادی نظام کے خلاف تھا جس کے مظاہر یہ تینوں گوشے تھے۔ ایران بھی، روما بھی اور خود قریش عرب، ایک نہتا یتیم، غریب وہ اٹھتا ہے اور آواز یہ دیتا ہے کہ یہ باطل کے نظام ہیں یہ قائم رہ نہیں سکتے۔ اللہ اکبر۔ نظر بظاہر دیکھئے تو دنیا کا ہر شخص ہنسے گا اس کے اوپر کہ

آپ کی دعوت کا ابتدائی دور

یہ قائم نہیں رہ سکتا۔ آہستہ آہستہ تھوڑے سے لوگ اس کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ بھی ان میں سے غریبوں کی ایک جماعت تیرہ سال تک کی تگ وتاز کے بعد دنیاوی نکتہ نگاہ سے گھر بار بھی چھوڑنا پڑا پھر دنیاوی نکتہ نگاہ سے دوسروں کے ہاں جا کے پناہ لینی پڑی۔ جہاں پناہ لینی پڑی وہ بھی یہ کیفیت نہیں تھی کہ ایک مملکت کا صدر یہاں سے بھاگتا ہے تو دوسری مملکت میں جا کے پناہ لیتا ہے۔ برابر کی حیثیت اس کی رہتی ہے۔ آج یہ ہو رہا ہے۔ یہ غریب' نادار' بے کس' بیچارا دنیاوی نکتہ نگاہ سے گروہ یہاں سے اٹھتا ہے تو مدینے میں جا کے پناہ لیتا ہے۔ جو ان سے بھی زیادہ غریب واقع ہوئے تھے۔ یہ تو ساری حیثیت تھی اس جماعت کی اور دعاوی کی کیفیت یہ کہ گھر میں بیٹھ کے یہ دعویٰ نہیں کیا جا رہا تھا۔ کسریٰ کو بھی لکھا گیا اور قیصر کو بھی یہ لکھا گیا کہ تمہارے ہاں کے محنت کشوں' مزدوروں' کاشت کاروں پر جو مظالم ہو رہے ہیں اگر تم انہیں بند نہیں کرو گے تو ان جرائم کا مواخذہ تم سے کیا جائے گا۔ اللہ اکبر۔ عزیزان من یہ ہے وہ تاریخ جسے دیکھنا چاہئے۔ یہ کتنی بڑی خود اعتمادی تھی جس بنا پر یہ شخص یہ چیزیں قیصر و کسریٰ کو لکھ رہا ہے۔ قیصر تو ذرا دور تھا یہ کسریٰ کی تو ساتھ سرحدیں ملتی تھیں جیسا کہ معلوم ہے آپ کو۔ یہ اہل ایران' عرب والوں کے ساتھ یعنی عرب میں بھی اس کمزور ضعیف جماعت کے ساتھ نہیں قریش کے ساتھ بھی یہ کبھی معاہدہ کرنا تو ایک طرف رہا ان کے ساتھ جنگ کرنا بھی کسر شان سمجھتے ہیں۔ کیفیت ان کی یہ تھی ان کی نخوت اور تکبر کی' بہر حال ایک غلبہ اور تسلط رکھتے تھے کچھ تو تمول تھا کچھ تو پوزیشن تھی ان کی' انہی میں سے وہ لوگ جو گھر بار چھوڑ کے دوسروں کے ہاں جا کے پناہ لے رہے ہیں وہاں سے انہیں لکھا جا رہا ہے کہ اگر یہ مظالم تم نے بند نہ کئے اپنے ہاں کے ان مظلوموں کے خلاف تو اس کا مواخذہ تم سے کیا جائے گا اور قریش تو پھر آپ سوچئے کہ وہ تو تیسری پاور بھی نہیں تھے ان کے مقابلے میں۔ انہیں تو اس کے ڈر سے کہا جا رہا تھا کہ سارے تصوارت باطل ہیں جو تم لے کر بیٹھے ہوئے ہو۔ سب سے بڑا زعم تمہیں اپنے نفس پر ہے اس زمانے میں یہ بہت بڑی چیز ہوتی تھی اور اس زمانے میں کیا آج بھی عزیزان من یہاں پہ تو کچھ کم اس کا درجہ ہے گاؤں میں جا کے دیکھئے ذاتوں کی تمیز کی بناء پہ یہ جو بڑی ذات اور گوت کے لوگ ہیں چھوٹی ذات کی گوت کو خاطر میں ہی نہیں لاتے' قابل توجہ ہی نہیں درخور تخاطب نہیں سمجھتے' تو اس زمانے میں قریش کی یہ کیفیت۔ ان سے یہ کہنا کہ یہ نظریہ باطل' پھر وہ کعبے کے متولی۔ آج بھی کعبے کے ساتھ نسبت ہے جن لوگوں کو آپ دیکھتے ہیں کہ ان کا بھی کتنا بڑا احترام ہوتا ہے۔ یہ تو اس دور کے واحد متولی تھے۔ دور بھی جہالت کا۔ اس اعتبار سے بھی ان کی کیفیت قرآن نے خود بتائی کہ جب ساری دنیا میں لوٹ مچ جاتی تھی قریش کے قافلوں کی طرف کوئی انگلی اٹھا نہیں سکتا تھا۔ اس طرح سے وہ سردی اور گرمی سارا سال رواں دواں رہتے تھے اور محفوظ رہتے تھے۔ اس سے نظر آتا ہے کہ قریش کی خود کیفیت کیا تھی' پوزیشن کیا تھی تمول کی' اور عرب کے اندر تو بہر حال ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ تجارت بہت بڑی' امارت بڑی' خود ان سے بار بار یہ کہنا کہ یہ سارے تصورات باطل ہیں یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا تمہارا۔ غور کیجئے کتنا بڑا دعویٰ ہے' کتنا لمبا عرصہ بھی ہو گیا ہے وہ بار بار کہتے تھے کہ وہ لاؤ کہاں ہے وہ تباہی' وہ عذاب' وہ انقلاب جس کا اتنے عرصے سے ہم ڈھنڈورا

سنتے چلے آ رہے ہیں قرآن کہتا ہے استہزا کرتے تھے' تمسخر کرتے تھے' مذاق اڑاتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے کیا کہہ کیا رہے ہیں۔ کہا یہ تھا کہ **وما امر الساعة الا كلمح البصر اوهو اقرب** (16/77) اب زیادہ دیر کی بات نہیں ہے۔ وہ تو آنکھ جھپکنے میں آ جاتا ہے وہ تو تمہارے سر پہ منڈلا رہا ہے تمہارے گرد اس نے گھیرا ڈال رکھا ہوا ہے۔ تمہاری آنکھوں میں بینائی نہیں ہے بصیرت نہیں ہے جو تم دیکھ سکو۔ ابھی آیا چاہتا ہے وہ۔ اور اس آنے کے بعد یہ کہا یہ کہ وہ خارج سے باہر سے نہیں آئے گا ایران والے تم پہ حملہ کر دیں گے بازنطینی ایمپائر والے جو ہیں وہ جھپٹ کے لے جائیں گے یہ صورت نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے آنے کی صورت جو ہے **ویوم نبعث فی کل امةٍ شهيدًا** قوم کے اندر سے وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

دنیا کی امامت کے شرف کا راز

تمہارے اپنے اندر سے وہ لوگ یہیں سے جماعت اٹھی ہوئی اور اس جماعت کی کیفیت یہ ہوگی **و يوم نبعث فی كل امةٍ شهيدًا عليهم من انفسهم و جئنا بک شهيدًا علىٰ هٰؤلآء** اب وہ سارا تنظیمی ڈھانچہ بھی سامنے رکھ دیا کہ یہ قوم اٹھے گی **و كذٰلک جعلنٰكم امة وسطًا لتكون شهدا على الناس** اے جماعت مؤمنین ہم نے تمہیں بین الاقوامی قوم بنایا ہے تاکہ تم تمام اقوام عالم کے اعمال کی نگرانی کرو اور اس کے بعد یہ کیفیت نہیں کہ تمہاری نامرکزیت ہوگی تمہارا رسول تمہارے اعمال کی نگرانی کرے گا۔ یہ جو رسول نگرانی کرے گا یا یہ قوم باقی اقوام کے اعمال پہ نگرانی کرے گی تو کیا یہ ذاتی طور پہ یہ ہوگا کہ جس چیز کو یہ کہیں گے کہ تم ٹھیک کرتے ہو ٹھیک سمجھی جائے گی اور جس کے متعلق یہ قوم کسی دوسری قوم سے کہہ دے گی کہ تم غلط کرتے ہو اسے غلط سمجھا جائے گا۔ یہ تو پھر انسانوں کا فیصلہ دوسرے انسانوں کے متعلق ہوا۔ اگر یہی کچھ کرنا مقصود تھا تو جس جس حالت پہ وہ نظام چل رہا تھا اس میں کیا برائی تھی۔ انسانوں نے ہی دوسروں انسانوں کے متعلق کچھ فیصلہ کرنا ہو تو وہ تو وہی محکومیت ہوگئی اس میں تو ہوا یہ کہ وہ اپنی قوم کے محکوم نہ رہے دوسری قوم نے ان کو محکوم کر لیا' یا دوسری قوم کے محکوم نہ رہے اپنی ہی قوم کے کچھ افراد نے اٹھ کے دوسروں پہ حکومت جتانی شروع کی۔ دیکھتے ہیں آپ کتنی گہری بات کہ تمہیں دوسری اقوام کا نگران مقرر کیا ہوا ہے تم پہ تمہارا رسول نگران ہے۔ اب اس میں تو انسان ہی انسان آتے ہیں عزیزان من یہ ہے قرآن کا اعجاز۔ فقرہ پورا نہیں ہونے دیا اور کہا **و نزلنا عليک الكتٰب تبيانًا لكل شيء** اقوام عالم کی نگران یہ امت' اس امت کے اعمال کا نگران رسول اور ان سب کے اوپر یہ ضابطہ خداوندی جو ہم نے بھیجا ہے اس لئے تم سب پہ خدا شہید یا نگران اور وہ تو غیر محسوس شے ہے غیر مرئی ہے خدا' کس طرح وہ نگرانی کیسے کرے گا یہ ضابطہ قانون جو اس نے بھیج دیا یہ آئین کی کتاب تمہارے اندر بھیج دی۔ یہ تھا وہ انقلاب' کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے انسان سے اپنا فیصلہ یا حکم منوائے۔ یہ ہے انقلاب۔ اور پھر یہ نہیں ہے کہ اس میں فوضویت ہو جائے قائم' انارکی قائم ہو جائے کہ کوئی کسی قسم کی تنظیم حکومت اور سٹیٹ رہے ہی نہیں۔ وہ رہے گی یہ ایک عجیب قسم کا انقلاب تھا جو دنیا میں آ رہا ہے۔ کوئی انسان کسی دوسرے انسان پہ حاکم نہیں ہوگا حکومت بھی رہے گی ارے کیسے رہے گی؟ ایسے رہے گی' حکومت کی انتہا Constitution ہوتی ہے۔ اب بھی جب کچھ کہا جاتا تھا آج تو پردے میں لپیٹی جاتی ہے بات حقیقت اس میں نہیں ہوتی لیکن بہرحال یہ پردہ تو اٹھانا پڑتا ہے کہ یہ In the

Constitutional Action intrest of state. ہے جولیا جا رہا ہے۔ ہنگامی طور پہ بھی تو فیصلہ دینا ہوتا ہے تو اس کی Provision بھی Constitution کے اندر رکھی جاتی ہے۔

صرف قانون کی حکمرانی

تو گویا انتہائی چیز جو بتائی جا رہی ہے وہ Constitution بتائی جا رہی ہے اس میں کہا جاتا ہے کہ انسانوں کی حکومت انسانوں پہ نہیں ہے۔ یہاں تک تو پہنچا ہے انسان' لیکن یہاں آ کے انسان پھر دھوکا کھا گیا یا پھر دھوکا دے دیا کہ Constitution بھی تو انسانوں ہی کا مرتب کردہ ہوتا ہے۔ انسان تو پھر بھی رہا اس میں۔ نظام یہ ہے کہ کسی انسان کی کسی انسان پہ حکومت نہ رہے حکومت بھی رہے اور ہو پھر کیا' انسانوں سے بالاتر ایک ہستی ہے صاحب اقتدار Constitution اس کا مرتب کردہ آئے' **نزلنا علیک الکتٰب تبیانًا لکل شیء و ھدًی و رحمۃ و بشری للمسلمین** وہ آئین محض ضابطہ تعزیرات ہی نہیں ہے کہ جرموں کی سزائیں تجویز کی گئی ہیں اس کے اندر۔ ھدًی میں پہلی چیز تو یہی ہے کہ وہ راستوں کی راہنمائی کرتا ہے۔ چلنا تم نے ہے خود' سامانِ نشو ونما بہم پہنچاتا ہے اور جو بھی للمسلمین جو بھی اس نظام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے۔ ان کو خوشگوار اور طیب زندگی کی بشارتیں دیتا ہے۔ یہ تھا وہ نظام یہ تھا وہ انقلاب جو وہ لانا چاہتے تھے۔ یا جو آ رہا تھا۔ پوچھا گیا کہ صاحب یہ تو بتایا ہے آپ نے کہ نظام کی شکل یہ ہو گی کہ کوئی انسان دوسرے انسان کو محکوم نہیں رکھ سکے گا یہ Constitution بھی آپ نے بتا دی۔ ذرا اس کے نمایاں خدوخال بھی تو سامنے آئیں کہ اس میں ہو گا کیا۔ کہا ہو گیا کیا **ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان.**

عدل کے ساتھ احسان بھی

کائنات انسانیہ کے دو بنیادی گوشے ہیں عزیزان من۔ عدل اور احسان۔ ہمارے ہاں ذہنِ انسانی نے آج تک بلند ترین تصور Justice کا ہی اپنے سامنے رکھا ہے۔ صرف عدل کا' اور اسی میں انسان اس قدر مطمئن اپنے آپ کو محسوس کرتا ہے کہ اگر عدل ہو گا کہیں تو وہ کہتا ہے سب ٹھیک ہے۔ عدل ہو جائے کسی طرح سے۔ یعنی ہم ترسے ہوئے اتنے ہیں' بے عدلی کے ہاتھوں ستائے ہوئے اتنے ہیں کہ ہم اس پر بالکل مطمئن ہو جاتے ہیں کہ صاحب عدل تو ہو جائے اور تکنیک یہ ہوتی ہے یاد رکھو باطل کے نظام کی' وہ جو کہا تھا وہ سعدی نے کہ کسی کو موت دو تا کہ وہ تپ پہ راضی ہو جائے۔ واقعی راضی ہو جاتا ہے آدمی صاحب۔ مجھے آج تک وہ مطالبہ وہ ڈیمانڈ یاد ہے جب ہم لوگ دلی سے کراچی آئے تھے اس زمانے میں تو رہنے کے لئے جگہ نہیں تھی لوگوں کو' بے شمار لوگ تھے جو وہ فٹ پاتھ پر گزارہ کیا کرتے تھے۔ جو لوگ سینے میں بڑا دردمند دل رکھتے تھے وہ انسانیت کی حفاظت کے اوپر خون کے آنسو روتے تھے۔ کہ اسی فٹ پاتھ کے اوپر ایک عمارت کھڑی ہے چھ منزلہ چار منزلہ اس عمارت کے اندر سونے والے صوفے اور قالین اور کمخواب اور پردے۔ اور اسی نوع کا انسان وہ فٹ پاتھ پہ سویا ہوا ہے۔ کتنا تفاوت تھا یہ کہ ہر قلبِ حساس اس پہ خون کے آنسو روتا تھا۔ اس کے بعد ایڈمنسٹریشن کی ایڈمنسٹریٹو کی آنکھ کھلی وہاں کی' انہوں نے کہا کہ یہ سڑکوں پر یہ جو فٹ پاتھ کے اوپر کوئی خوانچے والے دن میں بیٹھ جاتے ہیں رات کو سو جاتے ہیں تو اس سے بڑا خلل واقع ہوتا ہے تو یہ حکم

دے دیا گیا کہ وہ فٹ پاتھ خالی کرا دیا جائے یہاں کوئی نہ خوانچے والا ہو رات کو کوئی اس پہ سوئے بھی نہیں۔ آج تک یاد ہے مجھے کہ جلوس وہاں نکلا تھا اور اس پہ وہ جو بینر تھا اس پہ لکھا ہوا تھا ''ہمیں فٹ پاتھ سے نہ ہٹائیے'' کیا بات ہے۔ اسے کہتے ہیں وہ استبداد جو فریب کے پردوں میں چھپایا رکھا جائے یعنی وہ پرندہ خود پکار اٹھے کہ مجھے پنجرے سے نہ نکالو ان کا مطالبہ یہ تھا مطالبہ یہ نہیں تھا کہ یہ جو اوپر ہمارے ہاں محل کھڑے ہیں ان میں کچھ گنجائش ہمارے لئے پیدا کی جائے کہ کبھی بھول ہی میں نہیں سکتا اس بینر کو جس پہ لکھا ہوا تھا ''ہمیں فٹ پاتھ سے نہ اٹھایا جائے۔

ابلیسی نظامِ سیاست

کیا بات ہے اس ابلیسی نظام سیاست کی کہ موت دو تا کہ تپ پہ راضی ہو جائے صاحب۔ میں نے گزارش کیا ہے کہ بے عدلی کے ہاتھوں اتنا ستایا گیا انسان کہ اگر کہیں وہ سن پاتا ہے نا کہ وہاں عدل ہوتا ہے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ صاحب منتہٰی ہے انسانیت کا کہ جو عدل کہہ دیا گیا۔ اگرچہ عدل کی بھی کوئی Definition آج تک نہیں ہو رہی۔ یہ خود قانونی عدل جسے آپ کہتے ہیں بات آ گئی سامنے تو چلئے پھر تھوڑا سا اس پہ ہی سہی آپ کے ہاں قانونی عدل کیا ہے جو قوانین آپ کی مجلس قانون ساز بنائے ان قوانین کے مطابق اگر فیصلہ کر دے وہاں کا جج یا عدالت تو وہ قانونی عدل کا تقاضہ پورا کر دیتا ہے۔ لیکن وہ قوانین تو پھر انسانوں کے ہی بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بات تو وہیں آ گئی۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ ایک انسان اپنے طور پر جو فیصلہ چاہتا تھا اپنے ذہن سے وہ کر کے اسی وقت اسکو enforce کر دیتا تھا۔ یہ ملوکیت کہلاتی تھی۔ یہ بادشاہت تھی یہ فرعونیت تھی۔ کیا حق حاصل ہے ایک انسان کو کہ جو اس کے منہ سے نکلے وہ قانون اور فوراً وہ اس قانون کو نافذ کر دے۔ کیا خیال ہے کہ کیا یہ عدل تھا؟ یہاں قانون کی ایک Definition الگ تھی۔ وہ وحشت اور بربریت اور استبداد اور قہرمانیت اور فرعونیت اور نمرودیت کا زمانہ تھا اب دور آیا ہے آزادی کا جمہوریت کا اس میں کیا ہے۔ دس نمرود اکٹھے ہو کے بیٹھ جاتے ہیں وہ جو ان کے منہ سے نکلتا ہے اس کا نام رکھ دیا جاتا ہے قانون۔ مجلس واضع قوانین۔ ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اس کا نام قانون۔ وہ وہیں اسی وقت نافذ نہیں کرتے۔ وہ پھر دے جاتے ہیں ایک ایجنسی کو جسے آپ عدالت کہتے ہیں یہ عدل Justice کی ایجنسی کہتے ہیں اب وہاں پہنچ کے بھی میں نے عرض کیا ہے کہ اتنا ستایا ہوا بے عدلی کا کہ اگر اس قانون کے مطابق وہاں سے کوئی فیصلہ ہو جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں صاحب کہ صاحب عدل تو ہو رہا ہے نا۔ ارے تجزیہ کیجئے تو ہیں وہیں آپ فرق یہ ہے کہ وہ فرعون کی ملوکیت کا عدل اسی وقت ہو جاتا تھا اس میں وہ موقعہ پر ہی ایک فیصلہ دیدیتا تھا ناں اور یہاں اس قانون کے مطابق فیصلہ لینے کے لئے بھی جو کچھ کرنا پڑتا ہے انسانوں کو اور مظلوموں کو پوچھئے نہیں بیچارے ایڑیاں رگڑ کے مر جاتے ہیں کہ ان قوانین کے مطابق ہمیں ڈگری مل جائے کسی طرح سے۔ سوچئے عزیزان من یہ تو آپ کے ہاں کا جو عدلِ قانونی ہے اس کی تو یہ حیثیت ہے

بدل کے بھیس زمانہ میں پھر سے آتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہے لات و منات

الفاظوں کے بھیس میں ملوکیت

یہ وہی لات ومنات ہیں آپ دیکھیں' انسان کے منہ کوانسان کا خون لگا ہوا ہے چھوٹتا ہی نہیں۔محض اس کے بھیس بدلتے ہیں' پیکر بدلتے ہیں' پردے بدلتے ہیں الفاظ بدلتے ہیں' روح وہی کارفرما ہوتی ہے اوراس سے آگے چلئے تو پھراورایک ٹرم آگے آتی ہے۔سوشل جسٹس۔کوئی آج تک بتا ہی نہیں سکا کہ یہ ہوتا کیا ہے۔ترجمہ کردیا عدل عمرانی۔اس سے بھی زیادہ مشکل۔لیکن چونکہ عدل ساتھ نام رکھ دیا اس کا' جسٹس کہہ دیا مطمئن ہوگئیں طبائع کہ کچھ عدل کی بات ہو رہی ہے۔آپ کو پتہ ہے کہ جہاں تک قانونی عدل کا بھی تعلق ہے قرآن نے اس پر کیا شرط عائد کی ہوئی ہے' کہا اس نے یہ ہے کہ ہم نے الحق نازل کیا ہے۔قانون کے مطابق کاروائی ان کی سمجھی جائے گی **و بــه یـعـدلـون** (7/181) جو اس الحق کے مطابق عدل کریں۔دیکھتے ہیں کہاں جاتا ہے قرآن۔یہ وہ گوشے ہیں جہاں پتہ چلتا ہے کہ انسان کا کلام نہیں ہے ورنہ اگر صرف عدل کہہ دیا جاتا انسان مطمئن ہو جاتا اس سے۔وہ کہتا ہے خالی عدل کا لفظ اگر تم نکالو گے تو اس کے تو یہ معنی ہونگے پھر بھی کوئی انسان دوسرے انسان کے اوپر حاکم ہوگا۔**و بـه یعدلون** یہ جو **الـحـق منزل من الله** ہے اس کے مطابق جو فیصلہ کیا جائے گا اس کو عدل کہا جائے گا۔تو عدل بہرحال کسی معنے میں لیجیے قرآن نے تو اس عدل کے یہی معنی دیئے ہیں۔اب آیئے وہ جسے عمرانی عدل آپ کہتے ہیں ٹھیک ہے یہاں بھی عدل کے معنی سمٹا لئے جائیں گے یعنی جو کسی کا کچھ due ہے جو کسی کا کوئی حق ہے وہ اسے دیدیا جائے۔یہ ہمارے ہاں کی زبان کے مطابق یہ due یا right یا حق ہے ورنہ قرآن تو جس کو حق کہتا ہے وہ حق جس کو ہم Truth کہتے ہیں اور وہ حق جس کے معنے ہم right کرتے ہیں اس کے ہاں تو ایک ہی لفظ حق ہے ان کے لئے حق کے معنے ہیں قرآن خدا کی وحی۔خدا کی وحی خدا کا قانون تمہیں کیا دیتا ہے as of right جسے آپ کہتے ہیں۔

عدل سے احسان تک

لیکن یہ جو کچھ ہے یہ تو پھر عدل ہے کسی کا کوئی due دیدینا اور اگلی بات یہ ہے کہ جسے آپ Dues کہہ رہے ہیں جیسے آپ کہتے ہیں کہ صاحب مزدور کی مزدوری جو طے کی جائے وہ دیدینا جو ہے اس کا یہ عدل ہے۔جو بھی اس سے طے ہوا ہے جو مقرر ہوا ہے وہ عدل ہے۔یہ جتنی agitations آپ کے ہاں مزدوروں کی طرف سے ہوتی ہیں وہ کہتے یہ ہیں ناں کہ ہمارے dues ہماری اجرت ہمارے معاوضہ ہماری wages یہ کم ہیں زیادہ کیجئے۔زیادہ الاؤنس کرنے کے بعد وہ ان کا رائٹ ہو جاتا ہے۔اس کو دیدئے جائیں تو اس کو عدل کہہ دیا جاتا ہے۔کل ہی ایک بندہ ایک مزدور یہ بات کہہ رہا تھا راستہ چلتے ہوئے کہ جی یہ ٹھیک ہے مہنگائی کے عوض میں یہ ایک اضافہ ہوا ہے پچیس روپے کا' وہ کہہ رہا تھا کہ جی میرے پڑوسی کے میاں بیوی اور دو بچے ہیں۔یہ پچیس روپے کا اضافہ ان کے لئے تو کچھ اضافہ ہوگا' میرے گیارہ بچے ہیں' لیکن عدل کو اس سے واسطہ کچھ نہیں ہوتا۔عدل کا ہمارے ذہن میں تصور یہ دیا گیا کہ جو طے کیا ہے وہ دیا جائے۔

عدل اور ذمہ داری میں فرق

مزدور کی مزدوری دس روپے روز اگر ہے وہ اگر اس کو دیدی جاتی ہے تو عدل کا تقاضہ پورا ہو گیا۔دس روپے میں اگر اس کے گیارہ بچے پلتے

نہیں ہیں تو یہ عدل کا تقاضا' ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اسے بھی دیکھے۔ وہ کہتا ہے کہ اس نظام میں اتنی سی بات ہی نہیں ہے کہ عدل ہے' اس نظام کا دوسرا گوشہ احسان ہے کہ جو کمی کسی میں رہ گئی ہے وہ پوری کرے۔ اور پھر اس نظام پہ عمل کس طرح سے ہوتا ہے یہ لوگ کہا کرتے ہیں **ایتآء ی ذی القربیٰ** اس نے کہا کہ یہ بات پہلے ہی دن نصب العین عالمگیر انسانیت کی ربوبیت کو نہ رکھ لیجئے' منتہٰی تو اسے رکھئے' ابتدا جو ہے اپنے گردوپیش سے شروع کیجئے۔ **ذی القربیٰ** کے معنے یہی نہیں ہیں کہ وہ صرف رشتہ دار جو آپ کے ہیں وہی جو بھی' یعنی یوں units بنا لیجئے یہ قابل عمل پروگرام بن جائے گا کہ قریبی جو ہیں ان کے units بن جائیں ان میں یہ چیز دیکھی جائے عدل اور احسان ہو رہا ہے؟ چھوٹے چھوٹے Units' یہ مختلف مقامات پر جو مسجدیں تھیں وہ اس کام کے لئے تھیں کہ یہ جو **ذی القربیٰ** ہیں وہ اردگرد والے وہ وہاں بیٹھ کے دیکھیں کہ عدل واحسان ہو رہا ہے یا نہیں۔ یہ ایک طرف حکم ہے کہ یہ کیا جائے اور روکا جائے کس چیز سے **و ینھیٰ عن الفحشاء والمنکر و البغی** بڑی جامع چیز ہے۔ فحش کے معنی عربی زبان کے اندر بخل ہوتا ہے اور جیسا میں نے عرض کیا تھا عربوں کے ہاں تواضع اور کریم ہونا تو بہت بڑا اشرف تھا اس کے مقابل میں بخیل ہونا ان کے ہاں اتنی بڑی برائی تھی کہ بے حیائی کے لئے لفظ ہی بخیل ہوتا تھا وہ اسے کہتے ہی یہ تھے کہ بڑا بے حیاء ہے حیاء کا تقاضہ ان کے ہاں تواضع اور فراخ حوصلگی اور وسعت قلب تھی۔ منکر کے معنے ہیں کہ یہ جو کچھ انسان اپنے لئے سمیٹے عقل فریب کار اس کے جواز میں دلیلیں جو بہم جاتی ہے اسے کہا جاتا ہے **نکر**' یہ عقل فریب کار کہے گی کہ توں اپنی سنا تینوں ہور نال کی' ٹھیک ہے میاں کل تیرے تے وقت پے جائے گا منگدا پھریں گا کون تیری مدد کرے گا۔ دیکھا بظاہر کتنی جائز دلیل ہے۔ تے ایتھے شام تکر مرجانے آں محنت کردے کردے ٹھیک ہے ساڈا حق ہے' **و البغی** جو حدود مقرر کی گئی ہیں ان سے تجاوز نہیں کیا جائے گا۔ بڑا جامع لفظ ہے۔ **یعظکم لعلکم تذکرون** یہ باتیں یوں تمہارے سامنے (لفظ وعظ یہاں سے نکلا ہے) اس کے معنے تو یہ ایک قانونی حیثیت کی چیزیں سامنے لانا ہوتا ہے۔ ان چیزوں کو سامنے رکھو نظام کی بنیادیں یہ ہوں گی اور اگلی بنیاد مسلسل چل رہی ہے۔

خدا سے عہد

عزیزان من آج کا درس جس آیت سے شروع ہوتا ہے۔ کیا حکم دیا اس نے **و اوفوا بعھد اللہ اذا عٰھدتم** بڑی چیز ہے جو عہد تم نے خدا سے کیا ہے اسے پورا کرو۔ ویسے تو عہد اور وعدہ جو ہے ایک ہی معنے میں قریباً آتا ہے یہ۔ جو بات بھی کسی سے طے کی جائے لیکن عہد یا جس سے معاہدہ کا لفظ نکلا ہوا ہے وہ طرفین کی طرف سے ہوتا ہے۔ وہ دو کے درمیان ادھر سے بھی کچھ ہوتا ہے کچھ ادھر سے ہوتا ہے۔ یہ جو **عھد اللہ** ہے' **وعد اللہ** قرآن کریم کے اندر بہت آئے ہیں۔ خدا کے وعدے۔ لیکن عہد کے معنے وہ جانبین کی طرف سے دونوں parties کی طرف سے کچھ ہوتا ہے۔ اور یہ وہ عہد ہے جس عہد کے بعد ایک غیر مسلم مسلمان ہوتا ہے' ہمارے ہاں اول تو کچھ شرط ہی نہیں یہ جو ہم الحمدللہ پیدائشی مسلمان ہیں تو ہم نے تو مسلمان ہونے کے لئے کچھ کیا ہی نہیں۔ ہم تو مسلمان ہیں' یعنی مسلمان ہونے کیلئے کچھ نہیں کیا۔ حالانکہ قرآن کے اندر ایمان کے لئے جہاں بھی آپ دیکھیں گے verb کا صیغہ ہے **فعل** کا صیغہ ہے یہ کرنا پڑتا ہے۔ **من اٰمن باللہ** یہ ہم جو پیدائشی مسلمان ہیں۔

کلمہ شہادت بطورِ رسم بن گئی

کبھی ہم نے سوچا کہ ہماری یہ حالت کیوں ہے' یعنی ہم ایمان لائے نہیں ہیں' عجیب چیز ہے۔ٹھیک ہے قومی حیثیت سے ٹھیک ہے مسلمان ایک قوم ہے۔اس قوم کے ہم افراد ہیں۔لیکن وہ جو قرآن کی شرط تھی وہ ایمان لائے **من اٰمن باللہ و الیوم الاٰخر** زیادہ سے زیادہ ہمارے ہاں جو کبھی ہوتا ہے وہ کلمہ شہادت پڑھا دیتے ہیں اشہدانا وہ بھی جو غیر مسلم آتا ہے اس کے لئے ایک رسم ہے کہ اسے کلمہ پڑھاتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی یہ رسم جو تھی اب تھی میں کہہ رہا ہوں وہ نکاح کے وقت کلمہ پڑھایا کرتے تھے۔تو آہستہ آہستہ وہ بھی گھس گھسا کے رہ گئی وہ رسم کچھ عرصہ دیکھا کہ وہ منہ تے ای نئیں سی چڑھدے اولفظ جیہڑے ہوندے سن۔ پہلے تاں لاڑے دے منہ تے نئیں سی چڑھدے اوہدے بعد ہن ماڈرن ٹائپ داجیہڑا آیا نکاح پڑھان والا ایہدے منہ تے وی نئیں چڑھدے' ایک ملاں نے پٹھان سے کہہ دیا کہ اگر کسی ایک کافر کو تم مسلمان کر دو گے تو جنت میں پھر ستر حوریں تم کو مل جائے گا۔او کہنے لگا بڑی موج ہوگئی' کہنے لگا یہ بات ٹھیک ہے بہت سستا کام ہے' ڈھونڈتا رہا' کہیں مل گیا ادھر آ ؤ کافر وہ آ گیا بیچارہ آ کے بیٹھ گیا' وہ بیٹھ گیا اس کی چھاتی کے اوپر' او کہا کیا بات کیا کہتے ہو' مسلمان ہو جاؤ تم' کہنے لگا بہت اچھا جی میں ہو جاتا ہوں اور کیا کروں' کہنے لگا کلمہ شہادت پڑھو۔ کہنے لگا کہ میں تو ہندو ہوں مجھے نہیں آتا بتاؤ مجھ کو۔ کہنے لگا مجھے بھی نہیں آتا۔ وہ کہنے لگا کیسے مسلمان ہو تم' مجبور ہو گیا اور کہنے لگا او کافر ہمارا ستر حوریں مفت میں چلا گیا بھائی' تو وہ نکاح والی رسم جو ہے وہ بھی modernise ہو گئی ہے۔ اس وقت یہ ہوتا تھا۔کبھی کبھی گونج آیا کرتی تھی کلمہ شہادت نظر آتا تھا اب آپ دیکھیں گے یہ باتیں عزیزان من بڑی observation کی ہوتی ہیں۔ میت کے ساتھ بھی آپ دیکھیں گے کہ کلمہ شہادت تو کہا جاتا ہے آگے جو ہے اشہدان لا الہٰ آپ دیکھیں گے کہیں ایک آدھ منہنی سی' مرجھائی ہوئی سی آواز تو کچھ آتی ہے۔ وہ مجمع سے یہ آواز بھی نہیں آتی۔ رسمیں بھی آپ کے ہاں کی مٹتی چلی جارہی ہیں' میں بات یہ کہہ رہا تھا کہ ایمان جو ہے وہ تو ایمان لانا ہوتا ہے یہ کچھ کرنا پڑتا تھا یہ تھا کیا۔

خدا کے ساتھ عہد

یہ ایک معاہدہ تھا' وہ جو کہہ گیا کہ یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔ وہ شاعری نہیں ہے یہ ایک معاہدہ تھا اس معاہدے کے اوپر یہ کنٹریکٹ تھا ایک ایگریمنٹ تھا ایک treaty تھی مابین دو فریقوں کے اور فریق اس کے اندر تھے یہ شخص اور دوسری طرف فریق تھا اللہ۔ اور **معاھدہ تھا ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ** (9/111) اس فریق کی طرف سے یہ کہ میں نے اپنی جان اور مال جو کچھ مجھے وہبی طور پہ خدا کی طرف سے ملا ہے وہ اور جو کچھ میں اکتسابی طور پر حاصل کروں وہ' یہ سارے کا سارا میں نے بیچ دیا' یہ قیمت میں نے ادا کر دی ہے۔اور فریق مقابل نے کہا **ان لھم الجنۃ** ہم تمہیں اس کے عوض جنت دیدیں گے۔ یہ اس معاہدے پہ دستخط کرنے کے بعد ایک شخص مسلمان ہوتا تھا۔ یہ ایمان تھا جو وہ لاتا تھا' یہ ایمان لایا' یہ ایمان لانا تو ایک طرف میں نے کہا اب تو ہم کلمہ پڑھ کے بھی مسلمان نہیں ہوتے۔ یہ ہے وہ **عھد اللہ** خدا کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہوا ہے تم نے **و اوفوا بعھد اللہ اذا عٰھدتم** جب تم نے یہ معاہدہ کیا ہے خدا کے ساتھ تو اسے پورا کرو آپ' یہ پوچھا کرتے ہیں کہ یہ نظام جو قرآن کا بتا رہے ہیں یہ چلے گا کیسے؟ قائم کس

طرح سے ہوگا ؟ یہ اشتراکی یہ سوشلزم وہ تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ یوں قائم ہو رہا ہے۔ وقت نہیں ورنہ میں بتاتا کہ وہ کہا کرتے ہیں کہ یہ ہمارے پاس اعتراض آتا ہے یہ کہ صاحب یہ قائم بھی ہوا تھا نظام اسلام کا' چند سال تک چلا تھا اس کے بعد تو یہ چلا نہیں۔ اگرچہ میں کبھی یہ تقابلی جواب نہیں دیا کرتا لیکن خود ان سے پوچھئے' 1917 میں ابھی یہ روس کا انقلاب جسے آپ کہتے ہیں اس کی بنیاد سٹالن کے زمانے میں آ کر پڑی تھی۔ سٹالن کے زمانے میں ہی اس کی نیچے سے اینٹیں جو تھیں ان میں دراڑیں آنی شروع ہو گئی تھیں جنوں کینڈے ناں کھرنیاں شروع ہو گیاں سن' اور اب ختم ہو چکا ہے۔ اب صرف استبداد ہے اور اس انقلاب کا نام اشتراکیت یا سوشلزم رہ گیا کہ پیداوار کے ذرائع اسٹیٹ کی تحویل میں یا ملکیت میں آ جاتے ہیں۔ بس۔ پھر میں دوہرا دوں کہ بات جو کی تھی مارکس نے کہ انسانیت کی فلاح تو اس دن ہو گی جب یہ نظام قائم ہو جائے گا کہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق پوری پوری محنت کرے اس محنت کے ماحصل کو وہ اپنی ملکیت نہ سمجھے اور نظام جو ہے وہ اس کی ضروریات زندگی کو پورا کرے۔ اس نے کہا تھا کہ یہ ہے بنیاد اور پھر میں نے عرض کیا تھا کہ اس پر اس کی پارٹی میں یہ ڈسکشن ہوئی تھی کہ یہ ہے تو اسے پھر لانے کے لئے کیوں نہیں قدم اٹھاتے۔ اس نے کہا یہ تو میں کہہ سکتا ہوں کہ یہاں پہنچ کے انسانیت کی فلاح ہے لیکن یہ قابل عمل کس طرح ہو گا یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ میرے ذہن میں نہیں یہ بات آ سکتی۔ اس لئے برسبیل تنزل اس نے کہا تھا کہ یہ سوشل ازم ہی کم از کم شروع کر دو' پرائیویٹ ہاتھوں سے پراپرٹی تو نکال لو۔ یہ ہے جس طرف سے یہ سوشل ازم آئی تھی۔

قرآن کا معاشی نظام

یہ قرآن ہے جو اس نظام کو قائم کر سکتا ہے کہ اس پارٹی میں داخل وہ ہوتا ہے جو یہ معاہدہ کرتا ہے لکھ کے دیدیتا ہے کہ میرا مال' پراپرٹی ذرائع ہی نہیں بلکہ جان تک بھی میں نے بیچ دی۔ اب یہ خریدار کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ کہہ دے کہ ٹھیک ہے صاحب ذرا ابھی رکھئے میں اگوں سودا لے آواں آن کے واپسی تے لے لاں گا۔ یہ جو مؤمن کے پاس رہتی ہے نا یہ چیز یہ صرف اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہاں سے آواز نہیں آتی کہ لے آنا میاں وہ ہماری چیز تم نے جو بیچی تھی تمہارے پاس رکھی ہوئی ہے' یہ جماعت جو یہ عہد نامہ لکھ کر دے کر اس کے بعد اس میں داخل ہوتی ہے کہو' پوچھو مارکس سے کہ قابل عمل ہو گا یہ نظام یا نہیں ہو گا اس جماعت کے ہاتھوں جو یہ کرتی ہے' تم نے تو فریق ثانی سٹیٹ کو قرار دیا' اور پھر دہرا دوں جیسا کہ میں نے پچھلے کنونشن کے اپنے خطاب میں کہا ہے فریب ایک بہت بڑا فریب ہے اس دور کا سٹیٹ کا نام جو دیا ہوا ہے مبہم تصور ہے جس کا وجود ہی کہیں نہیں ہوتا' پردہ اٹھایئے تو پیچھے سے صرف چند افراد صاحب اقتدار آپ کو نظر آئیں گے۔ وہ کیا کرتا بیچارہ۔

؎ تیرا پتہ نہ پائیں تو لاچار کیا کریں

مارکس نے یہ کہا کہ برسبیل تنزل میں یہ کہتا ہوں کہ اس چیز کو لے آؤ سٹیٹ کے حوالے کر دو' اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ سٹیٹ بھی تو بالآخر یہ چیز ہو گی وہ سٹیٹ جب سٹالن بنا ہے خروشیف بنا ہے تو آپ دیکھئے کیا حشر وہاں ہوا۔ یہ فریق مقابل یہاں جو ہے وہ خدا ہے۔ اور آپ کو پتہ ہے کہ ایک طرف جب اس معاہدے میں یہ لکھا گیا **اوفوا بعھد اللہ اذا عٰھدتم** اور آگے ہے **ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا و**

قد جعلتم الله علیکم کفیلا بڑی بات کہ اب تم نے یہ معاہدہ کیا ہے' قول اقرار تمہارا یہ ہوا ہے تو یاد رکھو اس کو توڑنا نہیں' پھر نہیں جانا اس سے۔تم نے تو خدا کو اس میں اپنا ضامن بھی قرار دیدیا ہے۔اور خدا وہ ہے **ان اللہ یعلم ما تفعلون** وہ جانتا ہے کہ تم کیا کچھ کرتے ہو' فریق ثانی وہ ہے' یہ تاکید تو ہے اس فریق کے متعلق۔

سٹیٹ کا کردار

آپ کو معلوم ہے کہ جب اس دور میں ہمارے ہاں فریق ثانی سٹیٹ بنتی ہے انسان بنتے ہیں تو آپ اس سٹیٹ سے پوچھ نہیں سکتے کسی معاملے کے متعلق وہ sovereign ہوتی ہے۔sovereignty کے معنی یہ ہوتے ہیں accountabe to none وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتی' اور وہ جو سٹیٹ وعدے آپ سے کرتی ہے وہ وعدے خلافی سے کرتی ہے وہ وعدے خلافی کرتی چلی جاتی ہے اور آپ پوچھ ہی نہیں سکتے جب وہ کہیں کہ ذرا ایمرجنسی میں اب صورت حال بدل گئی ہے تو آپ اس کو چیلنج ہی نہیں کر سکتے۔آپ چیلنج کیجئے وہ کہیں گے یہ بھی interest of the state میں ہے۔بڑے غور وفکر کی چیزیں ہیں عزیزان من۔جب یہ کہنا ہو کہ یہ باطل کا نظام ہے تو بتانا ہوگا سمجھنا چاہئے ہمیں کہ باطل کا نظام کیسے آپ کہتے ہیں۔شقیں' قوانین' ٹریٹیز' الفاظ تو وہی ہوتے ہیں کہ جو حق کے نظام کے اندر ہوتے ہیں۔ یہاں بھی وعدے کئے جاتے ہیں۔undertakings دی جاتی ہیں۔قانون بھی بنتے ہیں' رائٹس بھی دیئے جاتے ہیں فریق ثانی کو' لیکن سوال تو یہ ہے کہ جب اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو وہ وعدہ پورا نہیں کرتی وہ سٹیٹ جسے آپ کہتے ہیں۔تو آپ اس کا کہیں سے دامن پکڑ سکتے ہیں' گلو گیر ہو سکتے ہیں آپ' پوچھ سکتے ہیں اسے کہ یہ ایسا کیوں نہیں کیا گیا۔تم سے تو ہر وقت وہ پوچھے گی' تم نے یہ معاہدہ کیا تھا یہ عہد کیا تھا یہ وعدہ کیا تھا پورا کرو۔یہ جتنی چیزیں بھی قانون کے مطابق پڑھائی جاتی ہیں یہ وہ وعدے ہیں جو آپ لوگوں نے ایک مملکت میں جب آپ رہتے ہیں تو پہلی چیز یہ کہتے ہیں کہ میں اس مملکت کے constitution کا پابند رہوں گا یہ آپ وعدہ کرتے ہیں معاہدہ لکھ کے دیتے ہیں۔جہاں اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے وہیں گرفت ہو جاتی ہے۔پولیس ہے' فوج ہے' عدالتیں ہیں' جیل خانے ہیں' یہ اسی بازپرس کے مختلف ذرائع ہیں' یہ جو ادھر کا فریق ہے کبھی اس کے پاس بھی یہ صورت ہے کہ ادھر سے اگر وعدہ خلافی ہو تو وہاں بھی پوچھا جائے' sovereign ہوتی ہے سٹیٹ تو۔نہیں پوچھ سکتے۔خدا سے بڑا sovereign بھی کوئی اور ہو سکتا ہے دنیا میں۔sovereign ہونے کا تو حق ہی اسے پہنچتا ہے حقیقت میں۔غور کیجئے اس کی sovereignty کا تصور ہے' لیکن اس قادر مطلق نے جب یہ آپ سے معاہدہ کیا ہے اور آپ سے وہ کہہ رہا ہے کہ اسے پورا کرو تو دوسری طرف پتہ ہے اپنے متعلق اس نے کیا کہا ہے اس نے کہا یہ ہے سنئے عزیزان من آپ پوچھتے یہ ہیں اسلامی نظام کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں۔یہ کہا کہ **ان لھم الجنۃ** انہیں جنت دی جائے گی' میں ابھی عرض کروں گا کہ یہ جنت صرف اخروی زندگی کی جنت نہیں ہے اس دنیا کی جنت ہے ساتھ ہی اس کے' یہ ہے اس کی طرف سے جو وعدہ ہے۔پچیسویں سورۃ پندرھویں آیت لے لیجئے۔جنت ہی کی بات ہو رہی تھی۔اس فریق نے اپنی جان اور مال بیچا اور اس کے معاوضے میں اس نے کہا کہ ہم تمہیں جنت دیتے ہیں۔**قل اذلک خیر ام جنۃ الخلد التی وعد المتقون** اس کے بعد کہا کہ وہ جنت جس کا وعدہ کیا ہے متقین سے اس کی

خصوصیت جنت کی کیا ہے **لھم فیھا ما یشآء ون خٰلدین** جو چاہیں گے وہ ملے گا' بات ختم ہوئی۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بات میں کہہ رہا تھا کہ وہ وعدہ ہے جو جنت کا کیا تھا اس نے اس معاہدے کی رو سے دوہرا دوں کہ اس معاہدے کے متعلق اس فریق سے کہا جا رہا ہے کہ یاد رکھو یہ جو وعدہ تم نے کیا ہے وعدہ پورا کرو۔ درمیان میں اس فریق کے متعلق کہا کہ **و اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولاً** 17/34 وعدے کی پابندی کرو وعدے کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا۔ اس فریق کے متعلق تو پھر یہی ہوا' کہ تم سے پوچھا جائے گا ذہن میں یہ آتا تھا کہ اگر جرآت عرض معاف ہو جان کی بخشش پاؤں' یوں ہی ہوتا ہے بادشاہوں کے حضور کہنے کا کہ کچھ عرض کروں اجازت ملے یا نہ ملے۔ اس نے ضرورت ہی نہیں سمجھی اس بات کی کہ تم اس سلسلہ میں کچھ کہا جائے اس نے خود ہی کہہ دیا کہ تم ہم سے پوچھ سکتے ہو قرآن کے الفاظ میں۔

تم خدا سے بھی پوچھ سکتے ہو کہ ایسا کیوں نہیں ہوا؟

عزیزان من سنئے کیا کہا ہے۔ **کان علٰی ربک وعدًا** اس کا وعدہ خدا نے دیا تھا **وعدًا مسئولاً** نہ پورا ہو تو پوچھ سکتے ہو تم' کیوں نہیں پورا ہوا۔ اللہ اکبر۔ کہتے ہیں اسلامی نظام کیا ہوتا ہے۔ خدا کہہ رہا ہے اپنے آپ کو' دیکھتے ہیں کس طرح برابر کی حیثیت پہ لا کے کھڑا کر دیا فریقین کو۔ معاہدہ تو ہوتا ہی وہ ہے۔ لہٰذا جب یہ کہا تھا کہ کہ **و اوفوا بعھد اللہ اذا عھدتم** وعدہ پورا کرو توڑو نہیں اس کو۔ تم تو خدا کو درمیان میں لے آئے ہوئے ہو اور بس اتنی سی بات ہی ہے عزیزان من اسلامی اور غیر اسلامی کہ اس میں خدا کو درمیان میں لے آئے ہیں۔ **ان اللہ یعلم ما تفعلون** پوچھتے ہیں کہ وہ نظام جو چند مہینے چند سال چلا تھا پھر سے کیسا ہوگا آپ کو معلوم ہے کہ اس کے متعلق بھی وعدہ کا لفظ ہے۔ **وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض** (24/55) ہمارا وعدہ ہے۔ تم یہ ایمان لاؤ یہ معاہدہ کرو اس کے بعد وہ کچھ کرو جو کچھ ہم تمہیں کہہ رہے ہیں ہم تمہیں اسی دنیا کے اندر وہ مملکت دیں گے جس کی نظیر کہیں نہیں مل سکے گی۔ **و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** (3/139) وعدہ ہے ہمارا۔ یہ کرو اس کے بعد اگر یہ نہ پورا ہو' سوال ہی نہیں ہے نہ پورا ہو اس نے کہا **لا یخلف اللہ المعیاد** (13/31) ہو ہی نہیں سکتا کہ وعدہ خلافی ہم کریں۔ **ان وعد اللہ حق** (10/55) وہ بالکل پکے اور سچے وعدے کہ جی ٹھیک ہے' کہ جی اگر نا' یعنی کہ بفرض محال والی بات ہے' فریقین کو مطمئن ہونا چاہئے نا اس بات پہ' وہیں کہہ دیا ہے کہ اگر یہ چیز نہ ہو تو **کان مسئولاً** پوچھا جا سکتا ہے۔

ذلت وخواری کی وجہ جواز

یہ جو مسلمان اس قدر ذلت و تباہی میں دھنسے ہوئے ہیں' وعدہ اس کا یہ تھا کہ ایمان و عملِ صالح سے یہاں وہ مملکت ملے گی کہ جس میں تم سب پہ غالب ہو گے کوئی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ تو اگر یہ اس خدا کے اس آیت کی رو سے پوچھیں کہ آپ نے تو وعدہ کیا تھا یہ اور ہماری یہ حالت ہے کہ ساری دنیا میں ذلیل و خوار ہوتے ہوئے پھر رہے ہیں۔ وہ وعدہ کہاں ہے وہ کہا تم پوچھ سکتے ہو وہ کہے گا کہ میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کہ وہ جو پہلی شق تھی وعدے کی تم نے جو کیا تھا اسے پورا کیا ہوا ہے تم نے جو مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ اسے پورا کر کے آؤ پھر ادھر سے اگر

پورا نہ ہوتو پھر پوچھوتم' وعدے کی تو دونوں شقیں ہیں۔ وہ صدر اول میں اس لئے یہ سب کچھ وہ نظام قائم ہوا تھا کہ انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا تھا۔ وہ معاہدہ جو کیا تھا خدا سے وہ معاہدہ' وہ قائم رہے تھے دوسری شق جو تھی ادھر سے وہ اس نے پورا کر دیا تھا۔ انہوں نے یہ کچھ چھوڑ دیا اپنا وعدہ پورا کرنا وہ تو اس پہ مشروط تھا۔ اس نے ادھر سے کی' **ضربت علیھم الذلة و المسکنة و بآء و بغضبٍ من الله** (2/61) ساری دنیا میں ذلت اور خواری کی مار تمہارے پیچھے رہے' ٹھیک ہے اور اس کے بعد پھر آئی ہماری تاریخ مسلمانوں کی' یہ قرآن کی بڑی مشہور آیت ہے اور بڑی ہی برجستہ اس میں تشبیہ ہے ہمارے شاعر جسے تامہ کہا کرتے ہیں۔ کہا یاد رکھو یہ کیفیت نہ تمہاری کہیں ہو جائے کہ **ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوةٍ انکاثًا** اس بڑھیا کی طرح نہ ہو جانا کہ سارا دن محنت و مشقت سے وہ سوت کاتتی رہی اور جب شام ہوئی تو اپنے ہی ہاتھوں سے سوت دی جیہڑی اوچھلی سی اجے اٹی وی نئیں بنی' اسے اپنے ہاتھوں سے نکھیڑ کے رکھ دیا ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا اپنے ہاتھوں سے' **من بعد قوةٍ** بڑی محنت سے سوت کاتا تھا۔ عزیزان من! یہ جو جنت ملی تھی میں نے عرض کیا ہے اسی دنیا سے جنت وہ شروع ہو جاتی ہے۔ یہ جو جنت یہاں ملی تھی یہ جواب مسلمان کو اتنے سستے داموں دیئے جانے کے ٹھیکیدار ہمارے ہاں بیٹھے ہوئے ہیں' دئے جاتے ہیں یہ جنت' ایناں دے پیو دادے دی ملکیت' ان کی اپنی زمین میں سے کوئی ایک مرلہ زمین آپ لینی چاہے تو دیکھو تو سہی کہاں تک یہ پہنچتے ہیں صاحب' اپنی' وہ چونکہ خدا کی ہے' بانٹتے چلے جا رہے ہیں' چھینک مار کے الحمدللہ کہو' چل جنت' تین واری کلمہ پڑھ کے لوٹا دھولو' چل جنت' دئے چلے جا رہے ہیں۔ پلئیوں تو کی دینا ہیگا' میں دسیاں اے ناں پئی پلئیوں ایناں دی زمین دا ٹوٹا ذرا لے کے دیکھونا' ورنہ میرے عزیز خدا کی جنت بانٹنا ان کے ہاتھ میں' اوبڈی پئی ٹری جانڈئی ہوئی اے' لوٹیاں تے جنت بٹن ڈئی ہیگی دوسروں کا مال جو ہوا' ہر طرف سے یہ ہو رہا ہے مسلمان کے ساتھ' ادھر سے وہ خدا کی وہ جنت بٹ رہی ہے ادھر سے جو آئے دن اعلانات ہوتے رہتے ہیں کہ وہاں گرانٹ دی' اتنا اس نے دے دیا اتنا اس نے دے دیا' وہ بھی تو وہ اپنی جیب سے تھوڑا دیا جا رہا ہوتا ہے۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ خدا کی جنت جب ان کے ہاتھ میں آئی تو اتنے سستے داموں بٹی اور جب خدا نے یہ دی' مقابل میں کون تھا اس وقت۔

حضورؐ کے لئے جنت کا حصول

عزیزان من جس کے متعلق اب یہ عقیدہ پیدا کیا جا رہا ہے کہ ان کی سفارش سے امت کو جنت ملے گی۔ عزیزان من تئیس سال کی زندگی کن صعوبات اور مشکلات اور پریشانیوں کے اندر گزاری ہے۔ خون بہ گئے' اینٹیں پڑیں' پتھر پڑے' گھر بار سے نکالے گئے' بیاسی جنگیں لڑیں۔ احد کے میدان کے اندر بس حفاظت کرنی تھی صحابہ موجود تھے تو بچ بھی گئے ورنہ وہاں تو جان بھی چلی گئی تھی' چھلنی ہو گیا' سارا جسم زخموں سے چور تھا' کس کے ساتھ یہ ہو رہا ہے عظیم ترین ہستی کائنات کی جس کے بعد خدا نے ایسی ہستی بھیجنی بند کر دی۔ اس کے ساتھ یہ ہوا کہ تئیس سال تک یہ کچھ کرو تو اس کے بعد اسے کہا کہ ہاں تم حقدار ہو جنت کے' کیا سمجھتا ہے یہ مسلمان' لوٹوں اور تسبیحوں سے تو اسے جنت نہیں ملی تھی' یوں ملی تھی' ساری زندگی اس میں گزر گئی اور وہ جو پھر قرآن نے خود اس کی شہادت دی ہے کہ خود دل میں یہ آرزو اٹھی کہ یا اللہ میری ساری زندگی ان تکلیفوں اور صعوبات کو برداشت کرتے گزر جائے گی یا میں اپنی آنکھوں سے بھی کچھ دیکھ لوں گا اور وہ تو شاعر تھا وہ کہہ گیا تھا

؎ جھوٹا وعدہ ہی سہی منہ سے مگر ہاں تو کرو

وہ تو جھوٹا وعدہ نہیں کرتا ناجی شاعری وہاں نہیں ہے اسی لئے کہا کہ قرآن شاعری نہیں ہے۔نہیں کیا ایسا وعدہ عزیزان من حضورؐ کی اس آرزو پہ میں اپنی بات یہ کہہ رہا ہوں' میرے دل میں یہ بات آتی تھی کہ تھوڑی سی رعایت تو برت دینی چاہئے تھی۔کھٹ سے جواب ملتا ہے **فانما علیکالبلاغ و علینا الحساب** (13/40) تم اپنا کام کئے جاؤ جو تمہارے سپرد کیا ہوا ہے۔فصل میں کب دانے پکیں گے یہ ہمارے قانون کے مطابق ہوگا۔یا اللہ یہ ہے وہ جنت لیکن وہ وہ **ان وعد اللہ حق** ہے جو وہ کہتا ہے ہم وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے جب وہ چیز جو پہلے عہد اللہ کے ساتھ انہوں نے پوری کی تھی پھر آپ دیکھئے کس طرح سے یہ وعدے پورے ہوئے' عزیزان من تاریخ انسانیت اس قسم کے انقلاب کی مثال نہیں پیش کرسکتی وہ جو اس دور میں ہوا تھا۔انسانیت کی تاریخ' کسی دور میں' کسی ملک میں' کسی قوم میں ایسا انقلاب نہیں آیا جیسا اس میں آیا تھا' یہ معاہدہ تھا جس کی دونوں شقیں پوری ہوئیں تو پوچھو **انتم الاعلون** کی چیز ہے اس کے

مومنے بالائے ہر بالا ترے

قرآن نے لفظ **اعلون** کہا ہے وہاں۔سب سے اونچا' بالائے ہر بالاترے' کیا بات ہے اس شخص کی بھی'

غیرتِ او بر نتابد ہمسرے

کسی کا آگے بڑھ جانا تو ایک طرف رہا' اس کی غیرت تو کسی کی برابری بھی گوارا نہیں' یہ وعدہ تھا خدا کا **ان کنتم مؤمنین** ٹھیک ہے تم یہ وعدہ پورا کرو ہم وہ پورا کریں گے۔یہ ہے قرآن' یہ ہے خدا کے وعدے جو اس نے کئے ہوئے ہیں۔**ولاتکونوا کالتی نقضت غزلھا** اس بڑھیا کی طرح نہ ہو جانا' سارا دن محنت سے سوت کاتا' خود اپنے ہی ہاتھوں سے پھر اس کو ریزہ ریزہ کر دیا' **تتخذون ایمانکم دخلًا بینکم ان تکون امۃ ھی اربیٰ من امۃٍ** عجیب چیز ہے صاحب۔کہتا ہے یہ جو آپس میں تم وعدہ خلافیاں کرتے ہو' روز کرتے ہو روز مکرتے ہو' افراد ہی نہیں اقوام کی بات یہاں آرہی ہے۔آپ کو پتہ ہے کہ دور حاضرہ کی یہ ابلیسی سیاست ہے اس میں سب سے بڑی زد جو پڑتی ہے وہ معاہدات اور treaties پہ پڑتی ہے۔

میکاؤلی سیاست

یہ روز آپ چیختے رہتے ہیں نا' کہ صاحب دیکھئے معاہدہ شملہ کے اندر یہ لکھا ہوا تھا' تم یہ کیا کیا کر رہے ہو' پچھلے سال ابھی انہوں نے سکم والوں سے وعدہ کیا تھا کہ protected state باقی رہے گی' آج وہ جز بن گئی ہے بھارت کا۔چیخ رہے ہو سارے' وعدہ کیا ہوا' معاہدہ موجود ہے treaty موجود ہے' چیختے رہو' قانون تو یہ ہے جس کی لاٹھی ہے اس کی بھینس' یہ ہے میکاؤلی سیاست' اس کی شق یہ ہے The Prince پڑھنے کی کتاب ہے عزیزان من اگر آپ نے سمجھنا ہو کہ یہ دنیا میں ہو کیا رہا ہے چھوٹی سی کتاب ہے یہ جو اس دور کی ابلیسی سیاست کی بائبل ہے وہ The Prince ہے وہ میکاؤلی کی' وہ ہدایت نامہ اس نے دیا ہے حکمران طبقے کے لئے اور اس میں کہا یہ گیا ہے کہ اول تو یہ چیز ہے کہ وعدوں سے اپنی آزادی پر پابندی نہ عائد کرو' کوشش کرو کہ وعدہ کرو ہی نہ کسی سے۔بڑی آسانی رہتی ہے اور اگر کرو تو اسی وقت ذہن میں یہ

فیصلہ کرلو کہ اس پہ پابند نہیں رہنا میں نے' متاں کتے بھل کے ایویں جی وچ ای اے گل کہہ بیٹھو کہ فیر ایناں وڈا عذاب آوے خدا دا تہاڈے اتے' نہ' کہتا ہے دل میں بھی یہ خیال نہ گذرنے پائے' اس سے اگلی شق ہے اب لگتا ہے تمہارے کردار' اقوال اس قسم کے ہوں جس سے اسے شبہ نہ پڑے کہ تم توڑ دو گے اسے' یہ تو عجیب شخص گذرا ہے صاحب' پورا مجسمہ اگر آپ نے دیکھنا ہو نا ابلیسی سیاست کا' اس میں آپ دیکھئے اور اس کی بہرحال کفر میں ہی سہی greatness ہے یہ اس کی' پانچ چھ سو سال سے ساری دنیا کے اندر جو سیاست ہو رہی ہے یہ اسی کتاب کے اوپر چل رہی ہے۔ بڑے بڑے سیاستدان جو تھے اپنے سرہانے تلے اس کتاب کو رکھ کے سوتے تھے' اس میں یہ شق ہے وعدے کے متعلق' اب اس سے آپ سوچ لیجئے کہ قرآن نے یہ جو کہا ہے' یہاں کہا کیا ہے' کہا پھر تمہیں پتہ ہے یہ جو قومیں آپس میں معاہدہ کرتی ہیں پھر اس کے بعد اس کو پرکاہ جتنی بھی حیثیت نہیں دیتیں جب بھی چاہے توڑ دیتی ہیں۔ کیوں۔ **امة هي اربىٰ امةٍ** ایک قوم دوسری قوم سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا چاہتی ہے اس لئے وہ وعدے معاہدے کی پرواہ نہیں کرتی۔ یہ ہے وجہ' یہ قوموں کی باہمی race جو چل رہی ہے اس وقت بھی عہد شکنی ہوتی ہے' معاہدے کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اس وقت جب وہ ایک قوم دوسری قوم سے اور آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ وہ کہتا ہے' میں نے کئی دفعہ بتایا ہے آگے بڑھنے کا جذبہ تو ہے انسانوں کے اندر وہ کہتا ہے ٹھیک ہے' آگے بڑھنے کا میدان غلط ہے۔ یہاں تو ایک قوم سے دوسری قوم ظلم میں آگے بڑھنا چاہتی ہے ہم کہتے ہیں **سابق بالخیرات** (35/32) (3/114) انسانیت کے لئے بھلائی کے کاموں میں آگے بڑھو ایک دوسرے سے' جذبے کی تسکین ہو جائے گی' آگے بڑھنا ہے' نیک بننے میں' شریف بننے' میں' اس میں آگے بڑھو۔ **والسابقون السابقون** (56/10) تو وہاں ہے' **سابق بالخیرات** جی ہاں بڑھنا ہے تو خیرات کے کاموں میں آگے بڑھو۔ **انما يبلوكم الله به** وہ کہتا ہے کہ خدا اس طرح سے اظہار حقیقت کرتا جاتا ہے' **بلو** کے معنے ہوتا ہے کسی بات کو ظاہر کرنا' نمایاں کرنا یہاں یہ باتیں ظاہر کرتا ہے یہ نظری طور پر theoratically کہ یہ چیزیں یوں ہوتی ہیں اس طرح سے نہیں کرنا' **وليبنن لكم يوم القيٰمة ما كنتم فيه تختلفون.**

قیامت کا قرآنی مفہوم

اور جب یہ ظہور انقلاب ہوگا اس دنیا میں ہو یا مکافات عمل کے لئے اگلی زندگی کے اندر ہو قیامت کا لفظ قرآن کریم میں ان دونوں کے لئے آیا ہے۔ یہ اس دنیا کے اندر بھی **يوم يقوم الناس لرب العالمين** (83/6) جہاں یہ کہتا ہے کہ یہ جو نظام ہے قرآن جس کو بتا رہا ہے یہ نظام یہ اس دن قائم ہوگا جس دن انسانیت ربوبیت عالمینی کے لئے کھڑی ہو جائے گی۔ یہ اس دور کی قیامت ہے۔ وہ ہوگی حق کی میزان کھڑی ہو جائے گی جب۔ اس میں سب سے پہلی چیز یہ ہوگی **و امتازوا اليوم ايها المجرمون** (36/59) او مجرمو الگ ہو جاؤ شریفوں کی بستیوں سے۔ ملے جلے مت رہو تمہارے فریب میں آ جاتے ہیں دوسرے شریف انسان جو ہیں۔ اس لئے کہ بھیڑیے اور بکری کو تو دور سے پہچانا جاتا ہے۔ انسان جب بھیڑیے کے لباس پہن کے آ گیا' وہ انسان کا نقاب اوڑھ کے جب بھیڑیا آتا ہے تو پھر نہیں پہچانا جاتا' ہم ہر ایک کو انسان ہی سمجھتے ہیں اور قیامت یہی ہے کہ پہچانا نہیں جاتا' اگر آپ کو پہلے سے پتہ چل جائے تو حفاظت کا سامان کر لیں۔ اس

معاشرے کی خصوصیت یہ ہے **وامتازوا الیوم ایھا المجرمون** (36/59). **یعرف المجرمون بسیمٰھم** (55/41) کیا بات ہے صاحب۔ ایسا یہ ہو جائے گا کہ مجرم اس کی پیشانی سے پہچانا جائے کہ یہ ہے بدمعاش۔ پھر انسان دھوکے میں نہیں رہتا۔ سانپ سانپ کی شکل میں سامنے آیا تو کبھی بھی نہیں آپ اس کے دھوکے میں رہتے۔ کبھی بھیڑیے کے قریب آپ نہیں جاتے۔ بکری کے سر پہ پیار دیتے ہیں آپ۔ ان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ یہاں بھیڑیا اور بکری دونوں انسان کی شکل میں ہوتی ہیں پتہ ہی نہیں آپ کو چلتا جب تک وہ کھا ہی نہیں جاتا آپ کو۔ **یوم القیٰمة ما کنتم فیه تختلفون**.

مشیت خداوندی

اب یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوا وہ جو ہمیشہ ایسے مقام پر قرآن پہ آ جاتا ہے کہ اگر یہ نظام ایسا عمدہ' ایسا اچھا' انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ایسا خوشگوار' سرتاپا رحمت' تو پھر خدا نے یہ انتظام خود ہی کیوں نہ کر دیا کہ بس انسان بنائے ہی ایسے ہوں کہ وہ اسی قسم کا نظام قائم کرنے والے ہوں اس میں بکریوں کو بکریاں بنا دیا نا آپ ہی وہ ظلم نہیں کر سکتیں' انسانوں کو بھی ایسا کیوں نہ بنا دیا۔ ہمیشہ یہ خیال آتا ہے اور ایسے مقام پہ جہاں قرآن یہ دونوں تخالف سامنے لاتا ہے اس وقت یہ آیت ضرور لے آتا ہے اس قسم کی۔ **و لو شآء الله لجعلکم امةً واحدة** ٹھیک ہے ہمارے مشیت کے پروگرام میں ہوتا تو ہمارے لئے یہ کچھ مشکل ہی نہیں تھا کہ ہم سارے انسانوں کو ایسا بنا دیتے' مشیت میں یہ کیوں نہیں تھا' کہا اس لئے کہ مشیت کے پروگرام میں اب ایک ایسی مخلوق دنیا میں بھیجی جس کو صاحب اختیار و ارادہ ہم نے بنایا' وہ آدم کا تو تعارف ہی معصیت سے کراتا ہے۔ آدم کا جو پہلا ذکر آپ کے ہاں آتا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ اس کو کہا گیا اور وہ پھر آنکھیں بند کر کے سر جھکا کے بغیر اختیار و ارادے کے اس کی طرف لگ پڑا' ملائکہ کے متعلق تو یہ ہے **نحن نسبح بحمدک و نقدس لک** (2/30) آدم کے متعلق یہ چیز ہے کہ اس سے کہا کہ یہ نہ کرنا اور اس نے وہ کچھ کیا۔ یہ ہے تعارف آدمی کا۔ اختیار اور ارادہ۔ اور یہی چیز ہے شرفِ آدمیت عزیزان من کہ ظلم اور تعدی کا اختیار رکھتے ہوئے قوت رکھتے ہوئے ظلم و تعدی نہ کرے اور دوسرے کے ساتھ عدل و احسان کرے۔ اگر یہ اس کا اختیار ہی نہ ہو تو اس میں شرف کا ہے کا' اس میں نیکی کا ہے کی۔ گدا گر تواضع کندخوئے اوست۔ یہ ہے ایک' خدا کے تخلیقی پروگرام میں یہ ایک نیا مرحلہ نئی منزل آئی ہے اس سے پہلے کی مخلوق میں اختیار و ارادہ نہیں تھا۔ کبھی آپ اس کی تعریف نہیں کرتے کہ صاحب بکریاں بہت نیک شریف واقع ہوئی ہیں کبھی نہیں کاٹتیں کسی کو' کبھی بھی نہیں۔ سوال ہی نہیں ہے۔ اگر خدا کی مشیت میں یہ ہوتا تو ہم ایسا کر سکتے تھے لیکن' یہ آگے چار لفظ آتے ہیں اور بڑی دلچسپ چیز ایک سامنے آتی ہے لیکن **ولٰکن یضل من یشآء و یھدی من یشآء** آیئے اب ترجمے آئے آپ کے سامنے۔ کوئی ترجمہ اٹھا لیجئے گا اس میں یہ لکھا ملے گا یہ میرے سامنے بھی اس میں یہ ترجمہ ہے' ہر جگہ یہ لکھا ہے' لیکن' یعنی خدا اگر چاہتا تو سب کو ایک جیسا بنا دیتا' بہت اچھا جی۔ پھر یہ کیوں ہے کہ کچھ لوگ جو گمراہ ہیں' کچھ صحیح ہدایت پہ ہیں' کچھ نیک ہیں' کچھ بد ہیں' کچھ ظالم ہیں' کچھ مظلوم ہیں یہ پھر کیوں ہے' آگے آنا چاہئے تھا **ولکن یضل من یشآء و یھدی من یشآء** ترجمہ ہوتا ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے نیک بنا دیتا ہے۔ کس لئے ایک جیسا نہیں بنایا۔ دلیل وہ کہتے ہیں' دیکھئے' بھیڑیے کو اس نے خونخوار

بنایا جسے چاہتا ہے خونخوار بنا دیتا ہے' بکری کو اس نے ممیانے والی بنا دیا ہے بڑی نیک ہوتی ہے' دیکھا نا یہ ہے وہ خدا کی مشیت کے مطابق۔ بھیڑیا یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کیوں پھاڑنے والا بنا دیا بکری یہ نہیں کہتی' اس کی مشیت میں یہ ہے' ایک ہی قدم آگے جا کے ان سے پوچھئے کہ یہ فرما دیجئے یہ کیا ہے' بکریوں میں بھی یہ ہے کہ بعضی بکریاں تو بالکل اس طرح شریف ہوں اور بعضی بھیڑیوں کی طرح کاٹ کھانے والی ہوں' کہ بھیڑیوں میں بھی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بعض بھیڑیے کاٹ کھانے والے پھاڑنے والے ہوں اور بعض بکریوں کے طرح کے ہوں۔ یہ تو ایک نوع کی بات آپ کر رہے ہیں نا۔ وہاں جو پیچھے تھا یہ قصہ وہ تو یہ صورت نہیں تھی وہ تو ایسا کیا تھا' یہ انسانوں کے متعلق بات ہو رہی ہے species کے متعلق ایک نوع کے متعلق۔ اس میں ہی یہ بات قابل اعتراض ہوئی تھی کہ پھر یہ کیوں ہے صاحب کہ بعض لوگ بڑے بیچارے' بعض بڑے ظالم ہوتے ہیں دوسروں کو تکلیف اور دُکھ دے کے خوش ہوتے ہیں قہر مانیت ان کے اندر ہوتی ہے' کچھ لوگ بہت شریف یہاں واقع ہوئے ہیں یہ کیا بات ہوئی پھر اس کے بعد کہ جسے ہم چاہتے ہیں ایسا بنا دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں ہم ویسا بنا دیتے ہیں۔ تو اگلا سوال پھر یہ پیدا ہوا کہ صاحب یہ جنہیں خدا نے گمراہ کر دیا ہے پھر ان سے باز پرس کاہے کی کہ تم غلط کام کیوں کرتے ہو اس نے تو وہ کیا نہیں وہ تو خدا نے ایسا کر دیا اگلی بات یہ آتی ہے۔ سنئے عزیزان من! یہ ترجمہ نیچے پڑھئے اور آگے دیکھئے ساتھ ہی لکھا ہوا کچھ اور' فقرہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ **یضل من یشآء و یھدی من یشآء** ترجمہ کرتا ہوں' جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور آگے ہے **و لتسئلن عما کنتم تعلمون** اور ضرور تم سے یہ پوچھے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ ہیں' یا اللہ۔ گل ہن کرن والی نہیں ہیگی' ڈاہڈے داستی ویں سوتے پچھے کون' تو آپ ہی یہ کہہ دیا ہے کہ جسے وہ چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے وہ ہدایت دے دیتا ہے صحیح راستے پہ لگا دیتا ہے اور یہ بھی نہیں کہ کسی دوسری جگہ جا کے کہا۔ عربی جاننے والے جانتے ہیں یہ بات کہ تم سے پوچھے گا' سوال کیا جائے گا **عما کنتم تعملون** جو کچھ تم یہاں کرتے ہو اس کے متعلق تم سے باز پرس ہوگی۔ اجی باز پرس ہوگی وہ پہلے تو آپ نے یہ کہہ دیا اور پھر یہ پہلی چیز تھی کہ صاحب ہماری مشیت میں ہوتا تو ہم ایک جیسا ہی انسانوں کو سب کو بنا دیتے وہ ایسا بھی نہیں بنایا یہ کچھ کیا کسی کو گمراہ کر دیا کسی کو ہم نے نیکوکار بنا دیا آگے پھر یہ چیز پوچھیں گے ہم ضرور تم سے کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اندازہ لگائیے۔

انسانوں کو ایک نہج پر پیدا نہیں کیا

عزیزان من! دنیا کے سامنے اس کتاب کو آپ خدا کی کتاب کہہ کے پیش کرتے ہیں۔ سیدھی سی بات وہاں کہی ہوئی ہے کہ اعتراض یہ تھا کہ خدا نے پھر سب انسانوں کو اپنی مشیت سے ایسا کیوں نہ بنا دیا کہ سب کے سب نیک ہی ہوں یہاں۔ کیوں نہ ایسا کر دیا کہا کہ ہماری مشیت میں ہوتا ہم ایسا کر سکتے تھے' لیکن ہم نے خود ایسا نہیں کیا۔ ہم نے جب انسان کو اختیار و ارادہ دیا ہے۔ عزیزان من ترجمہ ان آیتوں کا و **لکن یضل من یشآء و یھدی من یشآء** جو چاہتا ہو وہ صحیح راستہ اختیار کر لیتا ہے' جو چاہتا ہے غلطی پہ چلنا وہ غلطی کو اختیار کر لیتا ہے۔ **من یشآء** جو چاہے۔ کہا یہ چیز تو دی ہم نے اختیار و ارادہ کی' لیکن اس سے' تمہیں معلوم ہے ذمہ داری کتنی تم پہ عائد ہوگئی۔ یہ ذمہ داری **لتسئلن عما کنتم تعلمون** اب ہم تم سے پوچھیں گے کہ تم نے یہ راہ کیوں اختیار کی۔ بات ہوئی نا۔ ہوئی نا خدا کی کتاب۔ اب اسے حق ہے پوچھنے کا'

بھیڑیے سے وہ پوچھے گا ہی نہیں کہ تم کیوں خار کھاتے تھے دوسروں پہ۔ سانپ سے وہ پوچھے گا ہی نہیں کہ تم کیوں ڈس کے ہلاک کر دیتے تھے دوسروں کو۔ سوال ہی نہیں۔ یہاں بھی اگر بعض انسانوں کو وہ بھیڑیا بنا دیتا بعض کو بکریاں تو اسی طرح سے ان سے بھی پوچھنے کا سوال ہی باقی نہ رہتا۔ لیکن جب یہ چیز کہی کہ ہم نے تمہیں ایسا نہیں بنایا' تم جیسا بننا چاہو بن سکتے ہو۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ پھر یہ بات نہیں ہے کہ تم سے پھر پوچھنے والی کوئی بات نہیں ہوگی' تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اس پہ ظلم کیوں کیا۔ ہم یہ پوچھیں گے۔

دین کے بنیادی معنی

اب جسے وہ کہتا ہے نا

؎ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

وہ کون سی بات ہے جو سیاست سے الگ ہو جائے تو پھر وہ چنگیزی بن جاتی ہے۔ وہ یہ ہوتا ہے کہ جو سب سے اونچا درجہ ہوتا ہے سیاست میں ذی اقتدار' جسے سٹیٹ کہتے ہیں اسے **و لتسئلن عما کنتم تعملون** یہ بات اس میں نہیں باقی رہتی' کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو' یہ ہے دین' دین کے معنے ہی مکافات عمل ہیں۔ یہ سیاست سے الگ ہو جائے یہ ٹکڑا تو پھر وہ چنگیزی ہو جاتی ہے۔ جب انسانوں سے کوئی پوچھنے والا نہ ہو کہ تم نے دوسرے انسان کا خون کیوں کیا تو پھر سارے انسان بھیڑیے ہو جاتے ہیں۔ پھر سیاست چنگیزی بن جاتی ہے۔ یہ ہیں عزیزان من وہ بنیادیں جن پر اس آسمانی انقلاب کے نظام کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ خدا کے ساتھ برضا و رغبت ایک معاہدہ۔ اپنی جان اور مال سب کچھ اس کے ہاتھوں میں بیچ دینا۔ ادھر سے اس کے مقابلے میں اس کی قیمت۔ یہ کرتے چلے جاؤ وہ ملتا چلا جائے گا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ پھر انسانوں کو ایسا بنا کیوں نہ دیا کہ وہ مجبوراً یہی کچھ کرتے اس نے کہا کہ نہیں پھر یہ شرف انسانیت کے خلاف ہوتا۔ ایک طرف ہم اس کو اختیار و ارادہ دیتے دوسری طرف اس کا اختیار و ارادہ یوں سلب کر لیتے۔ می نہ سزد خدائے را۔ یہ بات نہیں ہے۔ ہم نے سلب نہیں کیا۔ اپنی مرضی سے اب یہ جو کچھ بننا چاہے یہ بن سکتا ہے۔ لیکن اگلی بات یہ ہے کہ اس سے اب پوچھا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اب سوال یہی رہ جاتا ہے کہ یہاں اس نظام' باطل کے نظام کے اندر تو کوئی پوچھتا نہیں ہے اسی لئے یہ چنگیزی ہو جاتا ہے کہ پوچھنے والا کوئی نہیں۔ تو اب سوال یہ ہوا کہ پھر انسان جو ہے ان سے بالا تو کوئی نہ رہا۔ اس نے کہا کہ یہ بات نہیں ہے' یہ سارا نظام تو انسانوں کا ہے انسانوں سے بالا ایک قوت ہے جسے خدا کا قانون مکافات عمل کہتے ہیں۔ وہ جو یہ بات اس نے کہی تھی خدا کے متعلق کہ خدا جانتا ہے **ان اللہ یعلم ما تفعلون** تو وہ بات جو ہے خدا کی وہ سلب نہیں ہوگئی' اس کا قانون مکافات عمل جو ہے وہ جاری و ساری ہے۔ انسان اپنے لئے کوئی نظام بھی بنا لے باطل کے نظام میں ہر شخص بھی ان میں سے جرائم پیشہ کیوں نہ ہو اور اگر وہ سمجھے کہ اب مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں تو غلط ہے۔ ایک اور قانون ہمارا کارفرما ہے وہ یہاں بھی کارفرما ہے اور اس کے بعد زندگی مسلسل آگے چلتی ہے وہاں بھی وہ کارفرما ہو

گا کہ جو بھی نظام غلط بنیادوں پہ اٹھے گا اس کا نتیجہ تباہی ہوگا۔اس دنیا میں ہمارے نظام' ہمارے قانون کی رو سے ہوگا تو اس میں دیر لگے گی تمہارے حساب وشمار سے' تم خود اٹھ کھڑے ہوگے اس معاہدہ کرنے والی قوم سے کہا' تم اٹھ کھڑے ہوگے اس معاہدے کے بعد تو وہ نظام' وہ انقلاب تمہارے حساب وشمار سے دنیا میں قائم ہو جائے گا۔اور پھر یہ چیز آگے بھی چلے گی صاحب۔مکافات عمل یہیں نہیں ختم ہو جاتے۔ یہ ہیں وہ بنیادیں عزیزان من جس پہ یہ استوار ہوتا ہے۔ یہ ہے وہ معاہدہ جس کی رو سے یہ ایک جماعت وجود میں آتی ہے جو خود پہلے اپنے قرب وجوار میں اس نظام کو قائم کرتی ہے پھر وہ **شھداء علی الناس** بنتی ہے۔لیکن ان کے اوپر خدا کی کتاب موجود ہوتی ہے ہر وقت' جو ان کے اعمال کا محاسبہ کرتی رہتی ہے۔الفاظ وحروف کی شکل میں' قرآن کے اندر' غیر مرئی قانون خداوندی کی شکل میں' نظام کائنات کے اندر اس لئے کسی انسان کا کوئی عمل بھی بغیر نتیجہ پیدا کئے رہ نہیں سکتا۔وہ جو میں کئی دفعہ دہرایا کرتا ہوں قرآن نے کہا ہے کہ یہ کائنات کا سلسلہ اس لئے وجود میں آیا ہے کہ کسی انسان کا کوئی کام بلا نتیجہ نہ رہ جائے۔ یہ ہیں بنیادیں عزیزان من۔سورہ النحل کی آیت 94 تک آ گئے۔آیت 95 ہم آئندہ درس میں لیں گے۔

(ربنا تقبل منا انک انت سمیع العلیم)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆